جو شخص لوگوں سے مانگتا ہے وہ اس لئے لوگوں سے مانگتا ہے کہ وہ خدا سے جاہل ہے اور اس کا ایمان اور معرفت اور یقین سست اور اجر کم ہے۔ اور جو شخص سوال کرنے سے بچتا ہے وہ اس لئے بچتا ہے کہ خدا کے ساتھ اس کا علم وافر ہے اور اس کا ایمان و یقین مستحکم ہے۔ اور اپنے رب کے ساتھ اس کی ہر وقت پہچان زیادہ۔ اور اس لئے کہ وہ اللہ عزوجل سے شرماتا ہے۔

فتوح الغیب الشیخ جیلانیؒ

مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ایمان کیا ہے؟

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ مَاْلَفٌ وَلَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَا یَاْلِفُ وَلَا یُؤْلَفُ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مومن محبت کا پتلا ہے اور اس شخص میں کوئی خوبی نہیں جو نہ لوگوں سے محبت کرے اور نہ لوگ اس سے محبت کریں۔

اس حدیث میں حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ایمان کی بنیادی شرط کی طرف توجہ دلائی ہے ایمان اخلاق کی درستی کا نام ہے۔ جس کا تعلق دل سے ہے۔ اخلاق کی بنیادی شرط یہ ہے کہ ہر شخص ایک دوسرے کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آئے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ ایماندار آدمی سراپا محبت ہے۔ کیونکہ سخت دل، ظالم اور شریر لوگ ایمان دار نہیں ہوتے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی ایمان سے بے بہرہ ہیں جو اپنے بھلے کے لیے دوسروں کے ستانے اور ان کو نقصان پہنچانے میں معروف رہتے ہیں۔ اس لیے کہ خیرخواہی ایمان کی جڑ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص دوسرے لوگوں کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش نہ آئے اور لوگ اس کی بدسلوکی سے متنفر ہوں اسے چاہیے کہ اپنے ایمان کی فکر کرے۔ رسمی طور پر عبادت کرنے سے اور نماز، روزہ کی پابندی سے ضروری نہیں کہ ایمان حاصل ہو جائے۔ ایمان حاصل کرنے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔ اور بغیر کوشش کے اس کا حاصل ہونا مشکل ہے۔ آدمی کا ایمان اخلاق کی درستی سے مکمل ہوتا ہے، اور اخلاق کی درستی کی کوشش جہادِ اکبر ہے۔ دین کی پوری شکل یہ ہے کہ آدمی کلمہ پڑھے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ حسب شرائط ادا کرے۔ اس کے بعد اپنے اخلاق کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابہ کرامؓ اور اس کے نقشِ قدم پر چلنے والے نیک لوگوں کے نمونہ پر ڈھالے، جب کہیں جا کر اس کو یہ بات حاصل ہوگی اور وہ اللہ کے بندوں کے ساتھ محبت کرنے لگے گا اور اللہ کے بندے اس سے محبت کرنے لگیں گے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں ایمان کا نور جلوہ گر ہے۔

مختصر یہ کہ ایمان اور عدم ایمان کی علامت دل میں محبت کا ہونا اور نہ ہونا ہے جو دل انسانی محبت سے لبریز ہے اس میں ایمان ہے اور جس میں محبت نہیں وہ بے بہرہ ہے۔

ظاہر مت کر!

اپنے دل کا راز ——————
کسی کا عیب ——————
امانت کی بات ——————
اپنے گھر کا جھگڑا ——————
دشمنی میں پوری قوت ——————
مانگنے میں زیادہ ضرورت ——————

(حدیث و آثار)

اسلامی ترقیاتی بنک

اسلامی ترقیاتی بنک کے سربراہ ڈاکٹر محمد احمد علی پچھلے دنوں پاکستان تشریف لائے، وہ ملک کے مختلف حصوں میں گئے، مختلف لوگوں سے ملے اور بنک سے متعلق گفتگو کی۔

- انھوں نے اپنے دورہ کے دوران ایک خصوصی انٹرویو میں بتلایا کہ یہ بنک سال کے آخر تک کام شروع کر دے گا۔
- اسلامی ملکوں کے مختلف ترقیاتی شعبوں میں بنک بھرپور امداد دے گا۔
- بنک دو ارب دینار (یعنی ۲۵ ارب روپے) کے سرمایہ سے شروع کیا جا رہا ہے۔
- جمع شدہ رقوم پر منافع دیا جائے گا اور یہ نفع سودی کاروبار پر انحصار کرنے والے ممالک کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوگا۔
- شرح منافع مقرر نہیں ہوگی بلکہ جو نفع حاصل ہوگا وہ حصہ داروں میں تقسیم کیا جائے گا۔
- جہاں سرمایہ کاری کی جائے گی وہاں اپنے سرمایہ پر سود نہیں لیا جائیگا
- ہم غیر سودی نظام رائج کر رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ یہ نظام پوری دنیا کے لیے قابل تقلید ہوگا۔

ایک عرصہ سے مسلم ممالک میں اپنی محرومیوں کا احساس بڑھتا جا رہا ہے اور یہ خیال عام ہوتا جا رہا ہے کہ ان محرومیوں کا سبب اسلام کے عادلانہ نظام سے دوری ہے اور اس سے چھٹکارا کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم لوگ اس حقیقت کبریٰ کی طرف لوٹ آئیں جسے خدا الدین القیم کا نام دیتا ہے۔

چنانچہ رجوع کی پہلی کڑی اسلامی سیکرٹریٹ کا قیام تھا۔ اس کے بعد اس کی زیرنگرانی مختلف منصوبوں کا جائزہ لیا گیا جن میں بعض منصوبوں کے باقاعدہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ انہی منصوبوں میں سے ایک یہ ہے جو اسلامی ترقیاتی بنک کے نام سے شروع کیا جا رہا ہے اور جس کا ابتدائی سرمایہ دو ارب دینار کی خطیر رقم ہے اور جس کے پہلے سربراہ ڈاکٹر محمد احمد علی ہیں۔

موصوف نے اپنے انٹرویو میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ انتہائی امید افزا اور ایک مومن کے دل کی آواز ہیں۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ ہماری سب سے اہم اور مقدم ضرورت اسلام کے نظام عدل کی طرف رجوع ہے جس کے بغیر ہم کسی صورت مصائب و آلام سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔ جہاں تک مروجہ معاشی نظام کا تعلق ہے اس کی دو صورتیں اس وقت دنیا میں رائج ہیں۔ جن کو عرف عام میں سرمایہ دارانہ نظام اور کمیونزم کا نظام کہا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی تمام تر بنیاد سود پر ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"خدا نے سود کو حرام قرار دیا ہے"

اور سودی نظام سے چمٹے رہنے والوں کو سخت وعید سنائی اور فرمایا کہ:۔

"اس سے باز نہیں آؤ گے تو خدا اور اس کے رسول برحق کی طرف سے تمہیں اعلان جنگ ہے۔"

اور جب نبی کریم علیہ السلام نے اس شجرۂ خبیثہ کی سخت مذمت بیان فرمائی اور حجۃ الوداع کے مبارک دن ہر قسم کے سودی کاروبار ختم کرنے اور لین دین بند کرنے کا حکم دیتے ہوئے اپنے عظیم المرتبت چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سودی رقموں کے معاف کرانے کا اعلان کیا۔

لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ دنیا کا ایک معتدبہ حصہ اسی لعنتی نظام کی جکڑبندیوں کا شکار ہے جس کا ابھی تذکرہ ہوا۔ اس کے رد عمل کے طور پر کمیونزم کا نظام سامنے آیا۔ تو اس میں گو سود نہیں لیکن مذہب سے بیزاری، اخلاقی بے راہروی اور اسلام کے نظام معاشیات کو جن دوسرے طریقوں سے مسخ کیا گیا ہے وہ ایک دوسری انتہا ہے جس کی کسی صورت اجازت نہیں دی جا سکتی۔

لیکن مسلمان اپنے گھر کے چشمۂ صافی کو چھوڑ کر آوارگی کے عالم میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ وہ ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ کر یا بیت کے ذرات کو پانی سمجھ کر سر دیوار سے پھوڑنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان مسائل کا حل صرف اور صرف یہ ہے کہ اسی چشمۂ زلال سے تازگی حاصل کی جائے جس کی طرف خدا کے آخری پیغمبر نے رہنمائی کی تھی۔

ہمیں خوشی ہے کہ مسلم ممالک میں صحیح سوجھ رکھنے والے عناصر ابھر رہے ہیں اور انہوں نے مثبت قدم اٹھانے شروع کر دیے ہیں جس کی ایک کڑی یہ بنک ہے۔

ہماری سوچی سمجھی رائے ہے کہ اگر خلوص و تدبر سے کام کیا گیا تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ منصوبہ بقول ڈاکٹر علی واقعی دنیا کے لیے قابل تقلید ہوگا اور ستم رسیدہ انسانیت نظام فطرت کی طرف بخوشی لوٹ آئے گی۔

آج اصل المیہ یہ ہے کہ ہم لوگ اسلام کی خوبیاں ضرور گنواتے ہیں لیکن جب مخالفین سوال کرتے ہیں کہ تمہارے گھر میں اس کی کوئی عملی مثال ہے تو جواب ندارد؟

یہی المیہ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کو پیش آیا۔ جب انہوں نے روس کے نام نہاد ترقی پسندوں سے اسلام کے نظام عدل پر بات کی تو وہ حقائق کا جواب نہ دے سکے۔ لیکن عملی مثال نہ ہونے کے پیش نظر مولانا کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔

آج جب عمل کی دنیا میں یہ منصوبہ پروان چڑھے گا تو دنیائے کفر و ضلالت کے اس چیلنج کا جواب سامنے آ جائے گا کہ اسلام آج کی دنیا میں ناقابل عمل ہے اور اس منصوبہ کے ساتھ جو دوسرا فائدہ ہوگا وہ یہ ہوگا کہ ہمیں اپنے وسائل پر انحصار کرنے کی عادت پڑے گی۔ اور سامراجیوں کی اندھیر گردی جس کی بنیاد معاشیات ہے سے ہم چھٹکارا حاصل کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ہماری صحیح رہنمائی فرمائے اور ہمیں ہر شعبۂ حیات میں صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق بخشے!

سرخیوں سے خون کی آتا ہے تاریخوں میں رنگ
کربلاؤں سے ہے دین مصطفیٰ ﷺ کی آبرو!

خطبۂ جمعہ

ضبط و ترتیب : ادارہ

اسلام ہی ہماری نجات کا باعث اور اللہ کا پسندیدہ دین ہے

جانشینِ شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا عبید اللہ انور زید مجدھم امیر جمعیۃ علماء اسلام پنجاب

بعد از خطبہ مسنونہ :

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔ صدق اللہ العلی العظیم ۔

بزرگانِ محترم ! برادرانِ محترم ! آج کی معروضات کا عنوان ہے کہ

" اسلام ہی ہماری نجات کا باعث اور اللہ کا پسندیدہ دین ہے "

قرآن کریم کے تیس پاروں اور ۱۱۴ سورتوں میں جو احکامات مندرج ہیں وہ تمام انبیاء علیہم السلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا میں تشریف لائے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ان کی تعلیمات کا خلاصہ اور لب لباب اس میں ہے اور تئیس سالہ یعنی ۱۳ سالہ مکّی اور دس سالہ مدنی زندگی میں قرآن کریم کی تکمیل ہوئی اور اللہ تعالےٰ نے اس آیت پر قرآن کریم کی تکمیل فرما دی ۔ اور گویا دین کی تکمیل فرما دی ۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آج اس حجۃ الوداع کے میدان میں میں نے وہ نعمت پوری کر دی ۔ اور دین اسلام کو پسند کیا ۔ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔ تو اب رہتی دنیا تک نسل انسانی کے لیے یہ صحیفہ ربانی کافی شافی اور وافی ہے ۔ اس کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا ، نہ کسی کتاب کی توقع اور نہ کسی نبی کے آنے کا سوال پیدا ہوتا ہے ۔

تو یہی ہے ہدایت کی آخری راہ ۔ اسے دینِ قیم قرار دیا گیا ہے ۔ قرآن میں یہ بار بار فرمایا گیا ہے کہ دین ازلی ابدی حقائق کا نام ہے ۔ یہ آنی فانی چیز نہیں ہے کہ کل کچھ اور آج کچھ ؟

توحید ربانی روزِ اول سے پیغمبروں کی دعوت ، روزِ قیامت پر ایمان ہر دین کا حصّہ ، نیک اعمال پر جزا اور بُرے اعمال پر سزا ہر نبی کی تعلیم میں شامل و موجود ہے اسی کو الدین القیم کہا جاتا ہے ۔ اعمال وغیرہ میں تھوڑی بہت کمی بیشی سے کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ مثلاً پہلی شرائع میں نماز بے سجدہ تھی تو اب سجدہ والی ہے ۔ اسی طرح ان لوگوں کے یہاں روزوں کی وہ کیفیت نہ تھی جو ہمارے یہاں ہے یعنی رمضان کا مہینہ طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے وغیرہ سے احتراز اور ان لوگوں کے یہاں سحری افطاری مشترک تھی ۔ بس شام کو جو کھا لیا کھا لیا ۔ اس کے بعد سو گئے پھر کھانے کی اجازت نہیں ۔ لیکن امّتِ محمدیہ پر اللہ نے احسان فرمایا ۔ کہ درمیان میں سونے اور پھر کھانے کی اجازت دے دی ۔ پھر رمضان کی راتوں میں ان کے یہاں شب باشی کی کسی صورت اجازت نہیں لیکن اس شریعت میں اجازت دے دی گئی ۔ قرآن میں ہے کہ اب جبکہ لوگ اپنی جانوں پر خیانت کرتے ہیں تو پھر انہیں اس کی اجازت دے دی جاتی ہے کیونکہ انسان قوی الجثہ ہونے کے باوجود جب اپنے جذبات پہ قابو کنٹرول کرنے میں دقت و پریشانی کا شکار رہتا ہے ۔ تو اب جبکہ قربِ قیامت کی وجہ سے انسانی اعضاء و قویٰ میں اضمحلال و کمزوری آ گئی ہے تو روزوں میں یہ تخفیف کر دی گئی اور لوگوں کو شب باشی کی اجازت دے دی گئی ۔ ان معمولی اختلافات کے باوجود دین کی ازلی ابدی حقیقتیں اٹل ہیں ۔

ان میں تبدیلی نہ ہوگی نہ ہوئی ۔ یہی دینِ قیّم ہے ۔ توحید پر انسانوں کو مجتمع کرنا، شرک سے اجتناب کرنا اور بچانا، انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا جس کی آخری کڑی رسول کریم علیہ السلام ہیں یعنی لا الٰہ الاّ اللہ محمدٌ رسول اللہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضور علیہ السلام خدا کے رسول ہیں۔ تو گویا اب ہماری نجات کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نبی کریم علیہ السلام کی اطاعت ضروری ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ آگے اولی الامر منکم بھی ہے ۔

اولی الامر سے مراد حکمرانِ وقت ہے ۔ جب تک وہ خدا اور رسولؐ کے احکام کی بجا آوری کرتا رہے اس کی اطاعت کرو اور اگر وہ خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت سے اپنا دامن بچاتا ہے تو ایسے حکمران کی اطاعت ضروری امر نہیں ۔ سیدنا حضرت ابوبکرؓ نے جب بارِ خلافت سنبھالا تو آپ نے سب سے پہلا خطبہ جو دیا اس میں ارشاد فرمایا کہ جو کمزور اور ضعیف ہے میرے نزدیک وہ سب سے قوی اور طاقتور ہے جب تک میں اس کا حق نہ دلوا دوں ۔ ساری باتیں کہنے کے بعد آپؓ نے یہ بھی فرمایا کہ میں اس ذمہ داری کا اہل نہیں ہوں لیکن جب امّت نے مجھ پر بوجھ ڈال دیا ہے تو میں اس کو اپنی بساط کے مطابق انجام دوں گا ۔ اور جب تک میں خدا اور رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کروں تم میری اتباع کرو اور جب تم دیکھو کہ میں خدا اور رسولؐ کے احکام کو پورا نہیں کر رہا تو بجائے میری اطاعت اور اتباع کرنے کے تم میری اصلاح کرنا ۔ اور مجھ کو سیدھا کر دینا ۔

حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جب بعض کذّاب مدعیانِ نبوّت نے دعویٰ نبوّت شروع کر دیا ۔ تو آپؐ کی رحلت اور اس دنیا سے کوچ کر جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جھوٹی نبوّت کا قلع قمع کر دیا ۔ اسی طرح مسلمانوں میں سے ہی جب بعض لوگوں نے زکوٰۃ کا انکار شروع کر دیا ۔ اور زکوٰۃ ادا کرنی چھوڑ دی تو صدیق اکبرؓ نے اعلان فرمایا کہ جو شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اونٹ کی رسی جیسی حقیر چیز بھی زکوٰۃ میں ادا کرتا تھا اور میرے زمانہ میں ادا نہیں کرتا ہے تو میں اس کے خلاف ہر صورت میں جہاد کروں گا خواہ مجھے اکیلا ہی میدان میں نکلنا پڑے ۔

صحابہ کرامؓ حیران و پریشان ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ آج کیسی باتیں کر رہے ہیں ۔ مسلمان اور ان کے خلاف جہاد ؟ یہ تو جو بھی نہیں سکتا ۔ حضرت عمر فاروقؓ بہادر، جری اور پُر جلال شخصیت کے مالک ہونے کے باوجود وہ بھی نرم دکھائی دیتے ہیں ۔ اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ یہ لوگ اگرچہ زکوٰۃ کا انکار کر رہے ہیں ۔ لیکن کلمہ پڑھتے ہیں، نمازیں ادا کرتے ہیں ۔ قبلہ کی طرف بوقت نماز چہرہ کرتے ہیں، قرآن کریم کو مانتے اور اس کی تلاوت کرتے ہیں ۔ فریضۂ حج بھی ادا کرتے ہیں ۔ پھر آپؓ کس بناء پر ان سے جہاد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ؟ تو صدیق اکبرؓ باوجود نرم دل اور نرم خو ہونے کے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی عملی تصویر بن جاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے ساتھیوں کی صفت یہ ہے کہ صریح کفّار ہوں یا خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والے نافرمان ہوں ۔ اُن کے متعلق وہ بہت سخت ہیں ۔ اور یہی حالت حضرت عمرؓ کی بات سن کر ابوبکر صدیقؓ کی ہو گئی ۔ آپؓ نے حضرت عمرؓ کو ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا ۔ اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَخَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ کہ آپ زمانۂ جاہلیت میں تو اتنے سخت تھے کہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے، خود حضور علیہ السلام کو شہید کرنے کے منصوبے بنانے والے اور آپؐ کی جان لینے کے لیے آنے والے اور اب اسلام میں اتنے نرم ہو گئے ہو کہ ایک فرض کا انکار کرنے والے گروہ سے آنکھیں بند کر رہے ہو ۔ اتنے بہادر ہونے کے باوجود بزدلی دکھاتے ہو ۔

تو ابوبکر صدیقؓ کی باتیں سن کر حضرت عمرؓ کو بھی ہوش آیا ۔ اور آپؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بات کی حمایت فرمائی اور سب مسلمانوں نے حضرت صدیقؓ کے حکم پر مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد کیا اور بالکل اسلام کے ایک ستون کو مصائب و مشکلات برداشت کر کے بچا لیا ۔ امّتِ مسلمہ آپؓ کے ان فیصلوں اور احکام کو صدقِ دل سے قبول کرتی رہی اور ان پر عمل پیرا رہی ۔ کیونکہ یہ فیصلے اور احکامات خدا اور رسولؐ کے احکام کے تابع اور ان کے مطابق تھے ۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ نے جب اپنا خلیفہ مقرر کیا تو بعض حضرات نے آپؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم پر آپ نے نہایت سخت گیر

حاکم مسلط کر دیا۔ تو حضرت صدیق اکبرؓ نے جواب دیا کہ اگر قیامت کو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بھی سوال کیا تو میں جواب میں یہ عرض کروں گا کہ یا اللہ! ساری امت میں سے سب سے بہتر خدمت گزار، مسلمانوں کا سب سے بہتر خیر خواہ و ہمدرد اور مسلمانوں کا بہترین خادم جو مجھے نظر آیا۔ اسے یہ خدمت سونپ دی ـــ چونکہ اسلام میں مالکیت و حاکمیت کا تصور نہیں بلکہ اسلام میں تو سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ کا تصور ہے۔ جو قوم کا جتنا بڑا خادم اور مسلمانوں کا جتنا بڑا خدمت گزار ہوگا اتنا ہی ان کا بڑا سربراہ اور سرتاج ہوگا۔ گویا خدمت کی بنا پر عظمت ہے۔ اسلام میں یہ چیز نہیں کہ اگر ایک شخص بادشاہ ہے تو اس کے مرنے کے بعد لازماً اس کا بیٹا ہی سربراہِ مملکت ہوگا بلکہ سربراہ وہی ہوگا جس میں خدمتِ خلق، خوفِ خدا، تقویٰ اور پرہیزگاری کا جوہر اتم موجود ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ۔ یہ صلاحیتیں اگر کسی حکمران کے بیٹے میں پائی جاتی ہیں تو وہ حکمرانی کا اہل ہے اور کسی غیر میں پائی جاتی ہیں تو اسی کو زمامِ اقتدار سونپی جائے گی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے تو حضرت عمرؓ کو خود اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا خلیفہ کسی کو خود تو نامزد نہ کیا البتہ اشارات و کنایات سے یہ واضح فرما دیا کہ آپ کے بعد خلیفہ بننے کی صلاحیتیں حضرت ابوبکرؓ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ جب آپؐ کی رحلت ہوئی تو انصار نے یہ کہا کہ ہم نے اسلام کی بہت خدمت کی ہے ـ اور صرف اللہ کی رضا کے لیے کی ہے اب بھی آپؐ کے بعد نیابت ہم کو ملنی چاہیے تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ دینِ توحید کی خدمت کر سکیں۔ لیکن حضرت عمرؓ آگے بڑھے۔ جس طرح آپؐ کی وفات کی خبر سن کر انہوں نے جوش میں سب سے پہلے یہ بات کہی کہ جو آپؐ کے بارے میں یہ کہے گا کہ حضور علیہ السلام اس دنیا سے کوچ کر گئے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اسی طرح جب ان کو افاقہ ہوا تو سب سے پہلے انہوں نے ہی ہوش میں یہ بات کی اور مسلمانوں کو آپ کی یہ حدیث سنائی کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَیْشٍ ـ کہ امام، سربراہ، نائبِ رسولؐ اور اس امت کے خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔

جوں ہی مہاجرین و انصار نے حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد سنا تو سب نے آمنّا و صدّقنا کہہ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بالاتفاق بیعت کر لی۔ اور کیوں نہ کرتے کہ آپؓ کے بعد امت میں آپ ہی سب سے زیادہ اعلم، سب سے زیادہ اتقٰی، سب سے زیادہ اجود، سب سے زیادہ حضورؐ کے قریب اور اخلاق میں سب سے زیادہ اعلیٰ و ارفع تھے۔ گویا آپؓ میں حکمرانی کی تمام خوبیاں جمع تھیں حکمران جہاں اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا نمونہ ہو وہاں وہ حضور علیہ السلام کے اخلاق و کردار اور سیرت و اعمال کا مکمل پیکر ہو ــ یہ نہیں کہ کافروں پر بھی سخت ہو اور مسلمان بھائیوں اور ساتھیوں پر بھی۔ بلکہ آپس میں رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کا مصداق ہوں، حضورؐ کے خلقِ عظیم کے مالک ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے بھی حضورؐ کے اخلاق اور بہترین کردار کو ہی اپنے لیے مشعلِ راہ بنایا۔ جب حضرت عمرؓ نے خلافت کا بوجھ اپنے کندھوں پر ڈالا تو سب سے پہلے خطبہ میں یہ فرمایا۔ کہ لوگ مجھ سے خائف ہیں، ڈرتے ہیں۔ میری طبیعت کی سختی کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوتی ہیں کہ عمرؓ، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں ہمیں ڈانٹ پلا دیا کرتا تھا، صدیق اکبرؓ کے زمانے میں ہم پر سختیاں کرتا تھا۔ اب جبکہ وہ خود مختار ہو گیا ہے، ہمارا سربراہ بنا دیا گیا ہے۔ اس سے کون پوچھنے والا ہے، اس کو کون ٹوکنے والا ہے ــ تو حضرت عمرؓ نے یہی جملے اپنے خطبے میں دہرائے۔ اور فرمایا۔ یہ ٹھیک اور درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں میرا مزاج بہت سخت تھا۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت یہ تھی ـــــ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِیْمٌ کہ آپؐ مومنوں کے لیے نہایت رحم دل اور مہربان ہیں۔ آپؐ نرمی کرتے تھے اور میں سختی کرتا تھا۔ ابوبکرؓ نرمی اور پیار سے لوگوں کے ساتھ پیش آتے اور میں سختی کرتا تھا۔ میرے دونوں پیشوا نرم دل تھے اور ان کے زمانے میں اس لیے میں سختی کرتا تھا کہ امت کے کام نرمی اور سختی دونوں سے چلتے ہیں۔ جیسے کہ بلب تب روشنی دیتا ہے جب سرد اور گرم دونوں تاریں

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : ادارہ

"یار" اُن کو بنائیں جو اللہ کو یاد کرنے والے ہوں

بیان: شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

بعد از خطبہ مسنونہ :-

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :-

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۔ (الآیہ)

پیر وحب اللہ شاہ صاحب موجودہ پیر جھنڈا میرے ہم سبق، ان کے والد پیر ضیاء الدین شاہ صاحب حضرت رحمہ اللہ تعالےٰ کے ہم سبق اور ساتھی تھے۔ یہ پیر جھنڈا، اسی طرح دین پور شریف اور امروٹ شریف کی گدیاں ہی ہیں جو کئی نسلوں سے مسلک حقہ کے مطابق دین کی خدمت میں مصروف و مشغول ہیں۔

عام طور پر گدیوں کا یہ عالم ہے کہ چند سے بعد وہاں کے لوگ شیعیت یا بدعات کی طرف راغب ہو گئے لیکن خدا نے ہمیں اور ہمارے بزرگوں کو اس سے بچایا۔ خدا ہمیشہ بچائے اور دراصل اس میں دارالعلوم دیوبند کے اثرات کا بڑا حصہ ہے۔ وہاں کی تعلیم و تربیت کا یہ صدقہ ہے کہ خدا نے ہمیں بچایا ہوا ہے۔

تصوف و سلوک میں علماء دیوبند کی خدمات اس قدر ہیں کہ اس کی مفصل تاریخ مشکل ہے۔ اسی طرح دیوبند نے حدیث کی جو خدمات سرانجام دیں اس کی مثال مشکل ہے بلکہ میں کہونگا کہ پچھلی صدی کی خدمت دین کے مقابلہ میں دیوبند کی یکصدی خدمات زیادہ ہیں، پھر حنفیت کی جتنی خدمات دیوبند نے سرانجام دیں حنفیت کے ساری دنیا کے علمبردار اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ہمارا یہ سلسلہ بھی دراصل دیوبند کا ہی ایک حصہ ہے۔ اکابرین دیوبند اور بالخصوص حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے فلسفہ و فکر ولی اللّٰہی کی روشنی میں جو انقلابی جماعت بنانے کی غرض سے دہلی میں تعلیمی کام شروع کیا تھا وہ حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے خدام و رفقاء کی گرفتاری کے ساتھ موقوف ہو گیا اس میں ہمارے حضرت لاہور منتقل کر دیے گئے تو یہ سلسلہ یہاں منتقل ہو گیا اور پھر وہی تحریکی صورت شروع ہو گئی۔ فللہ الحمد۔

بہرحال بات آج اس آیت کی تھی جو اوپر پڑھی۔ اس میں اجتماعیت کا ذکر ہے۔ کیونکہ اسلام نام ہی اجتماعیت کا ہے

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

حضور علیہ السلام نے اسی لیے فرمایا مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّار۔ جو جماعت سے علیٰحدہ ہوا وہ جہنم کا شکار ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ جو بکری گلہ سے علیٰحدہ ہوئی وہ بھیڑیا کا شکار ہو گئی۔

اس آیت میں حضور علیہ السلام کو خداوند قدوس مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ کہ :-

ترجمہ: "تو ان لوگوں کی صحبت میں رہ جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، اس کی رضامندی چاہتے ہیں اور تو اپنی آنکھوں کو ان سے نہ ہٹا"

تو اس دور میں حضور علیہ السلام کے رفقاء اور ساتھی صحابہ کرام علیہم الرضوان تھے۔ آپ ان کے ساتھ مل جل کر یاد الٰہی کرتے اور جیسا کہ بارہا مرتبہ عرض کیا کہ یاد الٰہی اطاعت الٰہی کا نام ہے۔ ذکر الٰہی میں زندگی کا ہر عمل شامل ہے۔ بشرطیکہ وہ خدا و رسولؐ کے احکام کی روشنی میں ہو۔ آپ دیکھیں حضور علیہ السلام نے جہاں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا اہتمام کیا۔ وہاں شادی، تجارت، حکومت و سلطنت

(باقی صـ ۲۲ پر)

اللہ اکبر

اختلافات کو ختم کر دیں

شیخ طریقت، جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور زید مجدھم امیر جمعیۃ علماء اسلام پنجاب گزشتہ دنوں خانقاہ عالیہ قادریہ راشدیہ دین پور شریف تشریف لے گئے۔ مقصد حضرت اقدس دین پوری اور حضرت مولانا سندھی رحمہما اللہ تعالیٰ جیسے اساطین ملت کے مزارات پر حاضری اور موجودہ حضرت دین پوری زید مجدھم سے ملاقات تھی۔ اس سفر میں آپ حافظ الحدیث والقرآن حضرت درخواستی زید مجدھم کے مدرسہ میں خانپور بھی تشریف لے گئے وہاں طلباء اور شہریوں سے جو خطاب ہوا اس کی رپورٹ مدرسہ کے ایک ہونہار فرزند مولوی سیف الرحمن صاحب عطاء درخواستی مہتمم جمعیۃ طلباء اسلام مدرسہ مخزن العلوم نے ارسال کی ہے جو ہدیہ قارئین ہے۔ (ادارہ)

اکابرین نے دیوبند کی تابناک تاریخ کا اگلا باب آپ نے رقم کرنا ہے

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بعد از خطبہ مسنونہ۔

ان الدین عند اللہ الاسلام۔ ابھی حضرت سیدی درخواستی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خیریت دریافت کرنے کے لیے مدرسہ میں حاضر ہوا۔ نماز سے پہلے ان کی خیریت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ آپ اس وقت مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہیں۔ یہ ہماری اور آپ کی خوش قسمتی ہے کہ اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جو اکابر اھل اللہ علماء ربانی امت کی کشتی کے کھیون ہار ہیں وہ ہمارے سربراہ ہیں، ہمارے ہادی ہیں، جماعت کے رہنما ہیں، سرپرست ہیں اور جماعت انہی کی سرکردگی میں دین اسلام کی تاریخی خدمات انجام دینے کا عزم و حوصلہ رکھتی ہے اور انجام دینے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہی ہے۔ یہ مساجد یہ مدارس دراصل دین کے قلعے ہیں۔ اسلام کی خدمت کی اس دُنیا کے اندر انبیاء کرام کے بعد سب سے بڑی ذمہ داری علماء ربانی اور علماء حقانی کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کی بعثت کے ساتھ ہی نبوت کا دروازہ بند کر دیا۔ بقول حضور اکرمؐ آپ آخرالامم ہیں اور حضورؐ نے فرمایا انا آخر الانبیاء۔ میں نبیوں میں سے آخری ہوں اور یہ امت امتوں میں سے آخری امت ہے۔ اس امت کے بعد کوئی امت نہیں اور اس کتاب کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں ہوگی اور جناب رسولؐ کے بعد کسی نبی کے مبعوث ہونے کا تو امکان ہی ختم ہو گیا اسی لیے یہ تاریخی جد و جہد جس میں اللہ تعالیٰ نے اس ملک کے مسلمانوں کو

اتفاق اتحاد کی برکت سے کامرانی سے سرفراز فرمایا۔ افسوس ہے کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ آئینی طور پر تو حل ہوا لیکن عملی طور پر وہی پوزیشن ہے۔ وہ مسجدیں مسجد کے نام سے، تبلیغ اسلام کے نام سے اور اسی طرح ساری دنیا میں چندے کر کے باہر اپنے وفود اور مشن بھیجتے ہیں۔ یہ ذمہ داری تمام جماعتوں پر ہے اور ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ اپنے اپنے دائرہ اختیار میں ہر شخص سے باز پرس ہونی ہے کہ تم نے دین کی عظمت کے لیے دین کے نفاذ کے لیے اور اللہ کو راضی کرنے کے لیے رضائے الٰہی کے لیے جو ذمہ داریاں انفرادی تم پر عائد تھیں اُن کو تم کہاں تک بجا لائے اور جو ذمہ داریاں اجتماعی تم پر عائد ہوتی تھیں اُن کو کہاں تک بجا لائے۔ سو اس لیے اسلام اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے اور اتحاد کی راہ دکھلاتا ہے اور علیحدہ علیحدہ رہ کر کے، علیحدہ علیحدہ فرقہ بندیوں، پارٹی بازیوں میں یا جس طرح جنگلوں میں جا کر یہ عبادت کرتے ہیں۔ یہ یہودی، نصرانی، عیسائی، ہندو، بدھ مذہب کے لوگ تپسیا کرتے ہیں اسلام کے اندر اس قسم کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا لا رہبانیۃ فی الاسلام۔ اسلام میں رہبانیت کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام اجتماعیت کا نام ہے۔ یہی قرآن کی دعوت ہے کونوا مع الصادقین، سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یا ایہا الذین آمنوا۔ اے ایمان والو۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے اتقوا اللہ اللہ سے ڈرو۔ اور اللہ سے ڈرنے کی صورت یہ ہے کونوا مع الصادقین، سچوں کے گروہ میں شامل ہو

جاؤ، سچوں کے تابع ہو جاؤ اور الحمد للہ انبیاء سب سے زیادہ اصدق ہیں، ازکیٰ ہیں اور اسلام دُنیا کا سب سے زیادہ اللہ کا پسندیدہ مذہب ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام اللہ کے نزدیک مقبول کوئی مذہب ہے تو وہ صرف اسلام ہے جو اللہ کا پسندیدہ اور منتخب مذہب ہے۔ اس مذہب کے علمبردار اور نام لیوا ہم ہیں۔ ابھی آپ فرائض سے فارغ ہوئے ہیں۔ ابھی فرض پڑھے ہیں آپ نے عصر کے۔ یہ جس طرح آپ نے مل جُل کر امام کے پیچھے نماز پڑھی ہے اسی طرح ملتِ اسلامیہ کو اپنے ائمہ ہُدیٰ کی اطاعت مل جل کے کرنی چاہیئے کہ ہر معاملہ میں ان کی اتباع ہو، اور کامل اتباع ہو۔ میں مثال دیا کرتا ہوں کہ اسلام جیسا ڈسپلن، تنظیم دُنیا کے کسی نظام کو میسّر نہیں۔ اندازہ لگائیے کہ دو رکعت، تین رکعات، چار رکعات کی نماز ہے۔ امام منتخب کیا جاتا ہے کہ جو احسن ہو، ازکیٰ ہو، اتقیٰ ہو جو سب سے زیادہ اچھا قرآن پڑھنے والا ہو، جو سب سے زیادہ عالم باللہ ہو، ازکیٰ خلق اللہ ہو اور اس کی اتباع میں جب اس کو امام بنا لیا جائے تو پھر فرض کیجئے چار رکعات کے بعد التحیات پر اُسے بیٹھنا چاہیئے تو سہواً پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا۔ آپ کو اتنا اختیار ہے کہ اُسے اللہ اکبر یا سبحان اللہ کہہ کر اُسے مطلع کر دیں۔ فرض کیجئے اُس بچارے کی سمجھ میں نہیں آئی تو وہ پانچویں رکعت پڑھے تو آپ کو حق نہیں ہے کہ آپ بیٹھ کر کے سلام پھیر دیں کہ صاحب وہ غلطی پر کھڑا ہے اور ہم نے اطلاع دے دی تھی اُس نے ہماری نہیں سُنی تو ہم اس کی کیوں مانیں اندازہ لگائیے آپ کو پانچویں رکعت امام کے ساتھ پڑھنی ہوگی چاہے وہ نماز لوٹائے یا سجدہ سہو کر کے نماز کی غلطی کی اصلاح کر لے۔ اسی طرح ڈسپلن دُنیا کے کسی مذہب میں کسی نظام میں کسی ضابطۂ حیات میں نہیں ہے جس طرح آپ کو اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول نے حکم دیا ہے لیکن دوسری طرف دُکھ کے ساتھ یہ حقیقت عیاں ہے کہ قرآن کی تعلیم تھی واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔ لیکن جتنے فرقے اس میں ہیں دکھ کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضور اکرمؐ نے دردِ دل سے یہ فرمایا جس طرح اُمتیں سابقہ گمراہی کا فرقہ بندیوں کا شکار ہو گئی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اس امت کے متعلق اشارہ فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ تہتر فرقے تو سنیوں میں ہی پورے ہو جاتے ہیں۔ شیعہ کے فرقے الگ ہیں اور اگر شیعوں میں دیکھا جائے تو کئی تہتر فرقے ہیں۔ شافعی مالکی الگ ہیں اور اگر شافعیوں مالکیوں میں دیکھا جائے تو کئی بہتر تہتر ہیں۔ حنفی، حنبلی دوسرے مسلک کے اندر الگ ہیں۔ یہ نقشبندی، چشتی، سہروردی، قادری، ان کے اندر فرقے در فرقے ہیں لیکن اسلام اُن فرق باطلہ ضالہ کو گمراہی کا فرقہ قرار دیتا ہے جو ذاتی مفاد کے لیے اقتدار کے لیے بھونڈے مقاصد کے لیے دنیاوی اغراض کے لیے پارٹی بازیاں اور فرقہ بندیاں بنائیں۔ اگر کوئی صحیح مکتبِ فکر ہے تو وہ علماء دیوبند کا ہے کہ ان کا تعلیمی نظام ہے اور یہ علماء فلاں فلاں ہیں۔ مصر کے علماء ہیں، شام کے علماء ہیں۔ یا یہ نقشبندی طریقہ کے یا یہ قادری طریقہ کے۔ یہ اختلافِ امت فساد کا باعث نہیں ہے۔ یہ اختلاف تو امت کی رحمت کا باعث ہے۔ جتنی بڑی جماعت، جتنی بڑی امت، جتنا بڑا نظام ہوگا قائم رہنے والا قیامت تک اس میں اختلاف آراء ہو سکتا ہے۔ دیانتداری پر مبنی اختلاف کو اسلام ملعون قرار نہیں دیتا۔ ملعون وہ فرقہ بندی اور پارٹی بازی ہے جس کا نتیجہ حضرت علیؓ کے قتل، حضرت عمرؓ کی شہادت، حضرات حسنین کی شہادت اور آج مولانا شمس الدینؒ کی شہادت و سید منیر احمد کی شہادت کا واقعہ ہے اور اس ملک کے اندر جو ایک دوسرے کے خلاف الزام، اتہام اور مساجد کو آج جس طرح فساد کا منبع بنا دیا گیا یہ البتہ خدا کے عذاب کو دعوت دینے والی بات ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں۔ یہ اختلافِ امت کیلئے رحمت نہیں زحمت والی بات ہے۔ اس فرقے بندی پارٹی بازی کو جب تک آپ نیست و نابود نہیں کریں گے زندہ نہیں رہ سکیں گے اور اسلام کے لیے وبالِ جان بن کر رہ جائیں گے۔ آپ بھی طالب علم ہیں اس وقت کہنے کا کوئی موقعہ نہیں۔ میں خود بھی نزلہ اور بخار کا شکار ہوں سفر میں ہوں تو صرف چند نصائح جس طرح کہ مجھے حکم دیا گیا ہے میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ دعا سے پہلے آپ کبھی تاریخ کا مطالعہ کر کے دیکھیں کہ ہندوستان کی حکومت کو زوال کیوں آیا۔ کہ مسلمانوں کی حکومتیں جو منظم حکومتیں تھیں طوائف الملوکی کا شکار ہو گئیں اور آپس میں کھینچا تانی اور اقتدار کی جنگ لڑتے لڑتے انگریزوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا بعضوں نے اور مسلمان مسلمانوں پر برسنے لگ گئے۔ ہندوستانی، ہندوستانی کی گردن کاٹنے لگ گئے۔ مسلمان، مسلمان کے لیے وبالِ جان بن کر رہ گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے اکابر نے بڑی کوشش کی کہ اس ہندوستان میں اسلامی حکومت کو پھر قیام، دوام اور استحکام حاصل ہو جائے اور اس سلسلہ میں جب بھی آپ تاریخ پڑھیں گے تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی احمد شاہ ابدالی کو افغانستان سے خط لکھ کے بلانے کی بات نظر آئے گی۔ طلباء مطالعہ کریں پروفیسر خلیق نظامی نے

مکتوبات شاہ ولی اللہ چھاپی ہے، ہندوستان میں چھپی ہے۔ اس میں ایک مکتوب ہے۔ مکتوب بنام شاہ جو احمد شاہ ابدالی کو مکتوب لکھا گیا تھا نواب نجیب الدولہ کی معرفت اور شاہ ولی اللہ نے خود لکھا۔ اس خط کی بناء پر پانی پت کی جنگ ہوئی ہے اور مرہٹوں،

جاٹوں اور سکھوں کا زور توڑ دیا۔ ہندوستان کا فساد ختم کر کے ہندوستان کی مرکزی حکومت کو بڑی طاقت بہم پہنچائی لیکن بد قسمتی سے مسلمانوں میں پارٹی بازیاں، فرقہ بندیاں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ شیعہ سُنّی جھگڑے ہوتے تھے اور کئی قسم کے فساد برپا تھے تاریخ ہند شاندار ماضی پڑھیں تو آپ کو اندازہ ہو کہ اس زمانہ کی تاریخ ایسی ہے جیسی اسپین کی جنگ میں اور مسلمانوں میں تُو تُو میں میں لگی رہی جو اسلامی حکومت کے زوال کا نہیں بلکہ بالکل اختتام کا باعث بن گئی۔ اسی طرح ایرانی اور ترکیوں کی صدیوں کی جنگ تُو تُو میں میں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار یورپ میں اسلام کے زوال کا باعث بنی۔ یہ کبھی آپ تاریخ پڑھیں گے تو حیران ہو جائیں گے کہ ترک بڑھتے چلے جا رہے تھے اور بد قسمتی سے ہمیں سے مسلمانوں کا راستہ روکنے والے بن گئے۔ کبھی آپ تاریخ پڑھیں گے تو حیران ہو جائیں گے کہ تیمور لنگ نے کتنا بڑا نقصان پہنچایا۔ یہ ترکوں کے اس بانی سلاطین عثمانی افواج کو کتنا نقصان پہنچا، اور یورپ میں اسلام آج ایک طرف پیکنگ کے راستے بڑھ رہا تھا، دوسری طرف سے یہ ترکی کے راستے۔ لیکن وہ پیش قدمی اسلام کی رُک گئی۔ مسلمانوں کے اندر باہمی جدال و قتال اور زوال جیاء کی وجہ سے اور بغداد کی تاریخ پڑھیں گے تو حیران ہو جائیں گے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں ہی مسلمانوں کی تباہی ہوئی تو میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ اگر بد قسمتی سے یہیں اقتدار کی جنگ اور ایک دوسرے کے خلاف کہ میں ہی سچا ہوں اور ہر ایک غلط کار ہے، وہابی، دیوبندی، بریلوی اور اسی طرح اہل حدیث اور سُنّی کا جھگڑا کھڑا رہا، شیعہ سُنّی کا جھگڑا چلتا رہا تو نہ خُدا ہی ملا نہ وصالِ صنم، نہ گھر کے نہ گھاٹ کے۔ دھوبی کے کُتّے والی بات بن جائے گی، لیکن یہ چیزیں بہت غور طلب ہیں اور اس سلسلہ کے اندر ہماری اپنی کوشش ہے کہ اُمّت میں اتحاد ہو۔ علماء دیوبند نے کبھی لڑائی کی راہ نہیں سوچی اور اسی طرح امت میں پھوٹ نہیں ڈلوائی۔ بلکہ انہوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ ملت کے استحکام کے لیے آپ کے بزرگوں کی تاریخ جو ہے شاہد ہے۔ ہندوستان کے اندر اسلام کا جو نام ہوا۔ اس وقت تھوڑے بہت جو آپ

کو مسلمانوں میں اللہ کا نام نظر آتا ہے، دین کا جو تھوڑا اہتمام نظر آتا ہے یہ قال اللہ قال الرسول کی جو درسگاہیں ہیں یہ علماء دیوبند کی وجہ سے ہی قائم و دائم ہیں۔ آپ تاریخ کا مطالعہ کر کے دیکھیں گے تو حیران ہو جائیں گے کہ ہندوستان میں

جب اسلامی حکومت کا زوال ہوا تو حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے نام لیواؤں نے مسجدوں میں بیٹھ کر موٹا جھوٹا پہن کر روکھی سوکھی کھا کر تعلیمی لباس میں انہوں نے اپنے کو گم کر دیا اور انگریز جیسی سلطنت جس کا سورج غروب نہیں ہوتا تھا اس کو ختم کرنے کے لیے انہوں نے کیسی جرأت اور کس کس طریقہ سے کام کیا۔ تحریک شیخ الہند ابھی چھپ کے آئی ہے اس کو پڑھئے علماء ہند کا شاندار ماضی پڑھئے اور اگر دشمنوں کی کتابیں پڑھنی ہیں تو ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی ہمارے ہندوستانی مسلمانوں کے نام سے ترجمہ کتاب پڑھئے۔ ماڈرن اسلام اِن انڈیا ایک کتاب چھپی تھی اس کا ترجمہ نہیں ہوا، اسی طرح اور بھی مستشرق لکھ رہے ہیں لیکن ہم اپنی تاریخ سے خود ناواقف ہیں۔ اگر اردو میں آپ پڑھنا چاہیں تو رود کوثر، موج کوثر وغیرہ اکرام صاحب کی کتابیں ہیں آنکھیں کھل جائیں گی کہ لوگوں نے کیا کارنامے انجام دیئے، پرانوں کی کتابیں پڑھ کر بھی آپ حیران ہوں گے لیکن اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ اب ہماری جماعت میں خود اختلاف ہے۔ وہ لوگ جو مسلمانوں کو صراطِ مستقیم دکھانے کے لیے، اتحاد کی دعوت دینے، قال اللہ قال الرسول کی صداؤں سے اسلام کی عظمت کو چار چاند لگانے کے لیے انہوں نے مدارس، مساجد آباد کی تھیں آج ان کی صفوں میں اتحاد قائم نہیں۔ اس چیز کو جب تک ہم خیرباد نہ کہیں اس ملک میں اسلام کا بول بالا نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا دین تو قائم رہنا ہے اور رہنے کے لیے آیا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ خوش قسمت وہ ہیں جو اللہ کے دین کے خود محافظ بن جائیں اور اللہ کے دین کے خادم بن جائیں۔ اللہ کے دین کی نصرت کے لیے جو تن من دھن نثار کر دے۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنتیں رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔ لیکن اس کے لیے ہمیں بڑا دل گردہ بڑا حوصلہ کرنا پڑے گا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ بڑا وہ جس کا سینہ بڑا، بڑا وہ جو سب کو کھا جائے جیسے سمندر ہے۔ صفتِ سمندر برابر رہتی ہے۔ لاکھوں چیزیں ڈوب جاتی ہیں لیکن صفتِ سمندر پھر بھی برابر۔ اس لیے ہمیں بڑا حوصلہ، بڑا دل گردہ چاہیئے۔ اپنوں اور پرایوں کو نظر انداز کرنا ہے۔

دونوں کی وہ چیزیں جو نظر انداز کرنے کے قابل نہیں جو بنیادی ہیں وہ نظر انداز کبھی نہیں کی جا سکتیں۔ جیسا کہ ختم نبوت کا مسئلہ تھا لیکن چند چھوٹی فروعی باتیں جو ضروری نہیں ہیں خواہ مخواہ اسلام کو زوال کی طرف لوٹائیں اپنی بدقسمتی سے اور زیادہ رنگ بھریں تو اس سلسلہ میں جمعیت کے اکابر کا ہر طریقہ سے تعاون حاصل کرنا چاہیے اور جماعت کے لیے درمے، قدمے قربانی دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ پہلے بھی آپ کی قربانی کے صدقے قال اللہ قال الرسول کی درسگاہیں جاری ہیں اور یہ جماعت آج بھی دین کا کام کرنے کے لیے ایک عزم رکھتی ہے اور سب سے زیادہ مخلص ورکر، مخلص ترین اکابر آپ کے ہیں۔ اپنے منہ تعریف کی بات نہیں۔ یہ تاریخ ہے کہ کتنے مخلص لیڈر کسی جماعت کو نہیں ملے لیکن ان سے کماحقہٗ کام نہیں لیا جا رہا اور اس کے لیے ہماری کچھ کمزوریاں ہیں ان سب کو خیرباد کہنا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ اپنے عمل سے اپنی محنت سے ہمیں یہ مقصد حاصل کرنا ہوگا اور اس سلسلہ کے اندر اگرچہ ہمیں قربانی بھی دینے کی ضرورت پیش آئے تو آپ کے اکابر تو ڈٹے ہوئے ہیں وہ تو قربانیاں دینے کا عزم رکھتے ہیں اور قربانیاں دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نوجوانوں کو بھی ہمت دے کہ وہ اسلام کے لیے ہر وقت تیار رہیں۔ وقت آئے تو اللہ تعالیٰ کامرانی عطا فرمائے اور آزمائش میں اللہ تعالیٰ ثابت قدمی نصیب فرمائے تو اس وقت چند نصائح ہیں ان نوجوانوں کے لیے، اساتذہ کے لیے اساتذہ کو شفقت بچوں کے ساتھ، طلباء کو چاہیے اساتذہ کا بے انتہا ادب کریں۔ میں جب پڑھنے کے لیے دیوبند گیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے میری کاپی پر ایک نصیحت تحریر فرمائی۔ "جورِ استاذ بہ ز مہرِ پدر"۔ استاد کی سختی اور زیادتی بھی ماں باپ کی شفقت سے بہتر ہے۔ اور حضرت ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ اساتذہ جو تمہارے اساتذہ نہیں کوئی ذاتی کام کہہ دیں تو اگرچہ سبق بھی چھوڑنا پڑے تو چھوڑ جاؤ کیونکہ روزانہ تو وہ نہیں کہے گا تو تم نے قیمتی وقت ضائع کر کے ان کے دل کی تمنا پوری کرنے سے جو دعا نکلے گی۔ دین دنیا کے بیڑے پار ہو جائیں گے۔ علم میں برکت ہوگی تو حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ میں نے پایا ادب سے پایا۔ آپ جتنا ادب کریں گے ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔ با ادب با نصیب، بے ادب بے نصیب۔ یہاں زیادہ طلباء ہی ہیں۔ آپ کو میری نصیحت ہے کہ بڑوں کو ادب سے دیکھو، اس کے بغیر کچھ نہیں الدین کلہٗ ادب۔ دین ادب کا نام ہے۔ اساتذہ کا فریضہ ہے کہ طلباء سے بیٹوں جیسا معاملہ کریں۔ حضورؐ نے فرمایا تمہارے تین باپ ہیں۔ ایک وہ کہ جس کے واسطہ سے دنیا میں آئے۔ دوسرا وہ جو تمہیں بیٹی دے، تیسرا تمہیں انسان بنائے کیونکہ علم ہی انسان اور جانور کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ علم کے بغیر انسان جانور سے بدتر ہے تو اب میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو علم باعمل نصیب فرمائے۔ قرآن کی صحیح سمجھ دے اور جماعت کے ساتھ ہر وقت تیار رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ضرورت پیش آئے تو تن من دھن نثار کرنے کی طاقت عطا فرمائے۔ انہی قربانیوں کے صدقے حضور اکرمؐ کے بعد خلفائے راشدین تابعین نے اگلی صدی تک پہنچایا، تیرھویں کے علماء نے ہمیں پڑھایا، چودھویں صدی میں ہم دین کے علمبردار ہیں۔ پندرھویں صدی میں آپ نے دین پہنچانا ہے۔ ہمیں اپنے اکابر کے مشن کو آگے پہنچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے عزائم وسائل عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اس دھن میں جینا عبادت ہے، اس دھن میں مرنا شہادت ہے۔ اللہ تعالےٰ تمام کو اسلام کی خدمت کرتے کرتے دنیا سے اٹھالے۔ سب کی قبر کو جنت کا باغ بنائے۔ امت میں اختلاف کو خیرباد کہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے حکمرانوں کو ہدایت دیں، اسلام کی توفیق عطا فرمائے ان کے نصیب نہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں جرأت کے ساتھ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یا اسلام نافذ ہو جائے یا ہم ختم ہو جائیں۔ ہماری زندگی میں کمیونزم سوشلزم آجائے اس سے موت بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں روز بد نہ دکھائے کہ اسلام کے لیے حاصل کی ہوئی زمین ہزاروں قربانیاں ہزاروں عصمتیں لٹا کر ہم نے یہ ملک حاصل کیا۔ اگر یہاں اللہ تعالیٰ کا دین نافذ نہ ہوا تو یہ ملک خدانہ کرے، زبان کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔ لیکن اگر یہاں اسلام کا قانون نافذ ہو گیا تو اسلام کا ناقابلِ تسخیر قلعہ ثابت ہوگا۔ دوسری شکل میں ہمارا وجود باقی نہ رکھے۔ علماء نے جس طرح اسے حاصل کرنے کے لیے قربانیاں دیں عوام کو اسے باقی رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالےٰ حضرت درخواستی مدظلہٗ، حضرت دین پوری، حضرت کندیاں شریف، حضرت رائے پوری، حضرت بہلوی، حضرت امروٹی، حضرت مفتی صاحب اور تمام اکابر کا سایہ قائم دائم رکھے۔ ان کے نقشِ قدم پر چل کر اور ان کی قیادت میں اللہ تعالیٰ اسلام کی خدمت اور جماعت کو منظم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور نوجوانوں کو جماعت میں لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے بزرگوں کے نقشِ قدم کو مشعلِ راہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس مسجد دیگر مساجد، اس مدرسہ اور دیگر مدارس کو اپنی پناہ میں رکھے، غیبی امداد سے نوازے، حکومت کے دستبرد سے محفوظ

(بقیہ صـ ۲۲ پر)

نوٹ: بعض حصوں سے دیانتدارانہ اختلاف ممکن ہے۔ (ادارہ)

ریشمی خطوط کی سازش

تاریخ جہادِ آزادی کا ایک فراموش شدہ باب

تحریر: ڈاکٹر سید عبداللہ

مکتبہ رشیدیہ لاہور نے حال ہی میں مولانا محمد میاں کی ایک کتاب "تحریک شیخ الہند" شائع کی ہے جس کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے عنوان میں یہ عبارت بھی شامل کی ہے:

"انگریزی سرکار کی زبان میں ریشمی خطوط کی سازش اور کون کیا تھا"

(انڈیا آفس لنڈن میں محفوظ ریکارڈ کا اردو ترجمہ)

ریشمی خطوط کی سازش اور اس کے متعلق بیشمار سلسلے سرفروشی و قربانی اور سلطنت اسلامیہ کی بازیابی کے لیے ناقابل یقین اور مسلسل جد و جہد کی ایک ایمان افروز داستان جہاد ہے ...... لیکن تاریخ بھی عجیب شے ہے جو کہنے کو تو سچائیوں اور صداقتوں کا اظہار و انکشاف کرتی ہے لیکن یہی تاریخ جب ناانصاف اور جانبدار مصنف کے قلم و ہیں جا پہنچتی ہے تو وہ ایسی حقیقتوں کو بھی چھپا دینے کی صلاحیت رکھتی ہے جو سچائی کی روشنی میں ضمیر داری، جاگیرداری اور اعلیٰ شرافتوں کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن سکتی ہیں۔

سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد کچھ جنگ تخت نشینی کے باعث، کچھ ایرانی تورانی کش مکش کے سبب مسلمانوں کے اتحاد و یکجہتی میں فرق آگیا تو مرکز کمزور ہو گیا اور صوبوں میں بغاوت اور خود مختاری کی شورشیں ابھر آئیں۔ ان حالات میں مخلص لوگ بد دل ہو کر یا تو گوشہ نشین ہو گئے یا شعر و طرب کی مجلسیں گرم کرنے لگے نتیجہ یہ کہ غیر مسلم قوتیں غلبہ پاتی گئیں۔ ایک طرف یورپین قسمت آزما پھیلتے گئے اور دوسری طرف مرہٹے، جاٹ اور سکھ مختلف علاقوں کے مالک بن بیٹھے۔ اور بالآخر انگریزوں نے مختلف چالیں چل کر ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ میں اس موقع پر شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا ذکر نہیں چھیڑتا جن کی سیاسی بصیرت اور کارنامہ ہائے جہاد کا حال سب کو معلوم ہے۔ میں براہ راست موجودہ کتاب کے موضوع پر آجانا چاہتا ہوں۔

یہ کتاب اس دور کے متعلق ہے جس میں وہابی تحریک اور ناکام انقلاب دہلی اور باغی علماء کی اسیری اور قید و بند کے بعد انگریزوں نے استحکام حاصل کر لیا تھا۔ انگریزی تعلیم پھیل چکی تھی۔ اور مسلمانوں نے بھی انگریزوں کی غلامی کو تقریباً قبول کر لیا تھا۔

لیکن انگریزوں کے اس غلبۂ کلی کے باوجود علماء کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جس نے انگریزوں کے تسلط کو قبول نہ کیا۔ یہ جماعت مسلسل اسلامی سلطنت کی بازیافت کے پیے کوشاں رہی اور اس مقصد کے لیے اس نے ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے ہوئے ہر ممکن قربانی دی۔

اس جماعت کو اصولاً شاہ ولی اللہ صاحب کی تحریک کے پیروکار کہہ سکتے ہیں اور یہ غلط بھی نہیں ...... لیکن عملاً اس تحریک میں مختلف خیالات رکھنے والے علماء اور بھی شریک رہے اگرچہ مرکزی کردار علمائے دیوبند نے ادا کیا اور انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ایک حصے نے بھی اس میں قابل فخر قربانیاں پیش کیں۔

انگریزی حکومت کو ختم کرنے کا جذبہ رکھنے والا، مسلم گروہ تین بڑے وجوہ سے اس جہاد میں شریک ہوا ایک گروہ علمائے صادق پور کے جانشینوں اور دیوبند کے حضرات کا تھا۔ جن کی نظر میں ہندوستان دار الحرب تھا۔ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ لامذہبی اور الحاد کی جو لہر چلی وہ بھی عام علماء کی نظر میں فرنگی حکومت کی

وجہ سے بھی۔ اس کی بیخ کنی کو علماء نے اپنا فریضہ خیال کیا۔ انہیں ایام میں یورپ کی عیسائی طاقتوں نے ایک متفقہ منصوبے کے تحت ترکوں کی خلافت عثمانیہ کو ختم کر دینے کی مہم شروع کر کے ترکی کے مقبوضہ علاقے چھیننے شروع کر دیے اس کا ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں پر گہرا اثر پڑا۔

ادھر ہندوؤں میں آزادی کی تحریک ابھر آئی جس نے مختلف شکلیں اختیار کیں ۱۹۰۷ء میں انگریزوں نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا لیکن ہندوؤں کے دباؤ میں آ کر انہوں نے چند سال بعد تقسیم کو منسوخ بھی کر دیا۔ حالانکہ کہا یہ گیا تھا کہ تقسیم کا مقصد بنگالی مسلمانوں کو تحفظ دینا ہے لیکن بعد میں ان کے مشورے کے بغیر منسوخ بھی کر دیا۔ مسلم تعلیمیافتہ طبقہ میں اس کی وجہ سے غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ طرابلس اور بلقان کی لڑائیوں میں ترکوں کے ساتھ جو سلوک ہوا اور مسجد کانپور میں جو خونریزی ہوئی اس نے بھی مسلمانوں کو مشتعل کیا۔

ان حالات میں انگریزی حکومت کا تختہ الٹ دینے کی فضا سازگار تھی۔ ولی اللہی تحریک کے بزرگوں میں اس کا عزم پہلے ہی موجود تھا۔ اسی کے نتیجے میں حضرت شیخ الہند محمود حسنؒ نے ایک جماعت قائم کی جو مختلف طریقوں سے کام کرتی رہی۔ یہ تحریک ۱۸۶۵ء کے لگ بھگ چلی اور کام کرتی رہی۔ اسی سلسلے میں ۱۹۱۵ء میں شیخ الہندؒ نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو اس ہدایت کے ساتھ کابل روانہ کیا کہ وہاں بیٹھ کر آزادی کی تحریک کو منظم بھی کریں اور بیرونی دنیا کے ان عناصر سے بھی رابطہ قائم کریں جو انگریزوں کے مخالف تھے۔

مولانا سندھیؒ نے یہ کام کس طرح انجام دیا۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ ہندوستان میں کون کون لوگ اس تحریک کے ارکان تھے۔ یہ بھی ایک طویل داستان ہے میں یہاں ریشمی خطوط کی سازش کا کچھ حال بیان کرتا ہوں کہ حاصل کتاب یہی ہے۔ شیخ الہندؒ کی تحریک ہمہ جہت تھی۔ ایک گروہ ہندوستان میں کام کرتا تھا دوسرا حجاز اور ترکی میں، تیسرا آزاد قبائل اور کابل میں۔ بعد میں وہ خود ہندوستان سے ہجرت کر کے حجاز چلے گئے۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو کابل بھیجا گیا۔ کہ وہاں کے حکمرانوں کو اس تحریک کی حمایت کرنے پر آمادہ کریں۔

وہ ۱۹۱۵ء میں کابل پہنچے۔ جب وہاں رہ کر انہوں نے کچھ تنظیم کر لی اور خدام خلق کی ایک جماعت جنود اللہ کے نام سے قائم کی اور کام شروع کر دیا۔ اور ایک سکیم انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے تیار کی اس کے تحت انہوں نے ایک خط ریشمی کپڑے کے اندر لکھوا کر (بنوا کر) شیخ عبدالحق نومسلم کے ہاتھ شیخ عبدالرحیم سندھی کے پاس بھیجا اور تاکید کی کہ فوراً حجاز چلے جائیں یا کسی اعتمادی کے ہاتھ شیخ الہند تک پہنچا دیں۔ اس خط میں سکیم کی جزئیات تھیں، ترکوں کی امداد کا ذکر تھا افغانستان کے حملے کا ذکر تھا اور دیگر باتیں تھیں۔

لیکن افسوس کہ شیخ عبدالحق کچے نکلے۔ انہوں نے وہ خط ایک ایسے شخص کو دے دیا جو انگریزوں کا جاسوس تھا۔ اس جاسوس نے جس کا نام خان بہادر رب نواز خاں تھا وہ خط سر مائیکل اوڈوائر گورنر پنجاب کے حوالے کر دیا۔ اس طرح حکومت کو جنود اللہ تحریک کے کچھ راز معلوم ہو گئے۔ اور معلوم ہو گیا کہ ان انقلابیوں نے افغانستان میں ایک جلاوطن حکومت ہند قائم کر لی ہے

اس ریشمی خط کے پکڑے جانے کے بعد ہندوستان میں علماء کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں اور بیرون ہند بھی انگریزوں نے دباؤ ڈال کر حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفیق مولانا حسین احمدؒ وغیرہ کو بھی گرفتار کرا دیا۔ اور انہیں مالٹا میں نظر بند کر دیا۔ استعمار فرنگ کے خلاف اس حیران کن انقلابی تحریک میں کون کون لوگ شریک تھے ان کے مقاصد کیا تھے؟ ان پر کیا کیا مصیبتیں آئیں۔ انہوں نے کس طرح ان کا مقابلہ کیا۔ پنجاب اور صوبہ سرحد کے کالجوں کے پُرجوش طلبہ نے کن کن راہوں سے ہجرت کی۔ اس طرح کی تفصیلات کے لیے اس تبصرے میں گنجائش نہیں۔ اس کے لیے اصل کتاب ہی کو دیکھنا مفید ہو گا۔ جس میں انڈیا آفس لنڈن میں محفوظ ریکارڈ کے مندرجات بھی شامل کر لیے گئے ہیں اگرچہ کاملاً درست نہیں تاہم مختلف مجاہدین انقلاب کے حالات و کوائف پر روشنی پڑتی ہے۔

مجھے اس کتاب سے اس لحاظ سے دلچسپی ہے کہ اس کے ذریعہ جہاد آزادی ہند کے ایک فراموش شدہ حصے

کو دوبارہ سامنے لایا گیا ہے۔ یہ وہ حصہ ہے جسے نادانستہ یا دانستہ چھپا لیا جاتا ہے۔ اس اخفاء کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس انقلاب کے مجاہد طبقہ علماء سے تعلق رکھتے تھے جسے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کسی اچھے رنگ میں پیش ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس ریکارڈ تک پہنچنے کے راستے میں بہت سی مشکلات تھیں۔

میری رائے یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں جو اسلامی مملکت ظہور میں آئی وہ محض کسی وقتی حادثے یا ہنگامی صورت حال کا نتیجہ نہ تھی بلکہ یہ اس ڈیڑھ سو سالہ جدوجہد کا نقطہ اختتام یا آخری منزل تھی جس نے مسلمانان ہند کی مساعی بازیافت کو بار آور کیا۔

بازیافت کی اس جدوجہد کی شکلیں بدلتی رہیں لیکن یہ جدوجہد مسلسل جاری رہی جس میں ۱۹۲۰ء تک علماء ہند نے مؤثر کردار ادا کیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ پاکستان کی تکمیل مسلم لیگ نے کی ہے۔ لیکن اس میں جنود اللہ کی تحریک کے علاوہ تحریک خلافت، تحریک احرار اور تحریک خاکسار کا بھی ان معنوں میں بڑا حصہ ہے کہ بازیافت کے مقصد عظیم کے لیے ان سب جماعتوں نے اپنے اپنے وقت میں بازیابی کی آرزو کو زندہ رکھا اور اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کیں۔

اگر قربانی کی یہ روایت پہلے سے موجود نہ ہوتی تو پاکستان تحریک تک پہنچتے پہنچتے ولولے سرد ہو چکے ہوتے۔

ہو سکتا ہے کہ غایتوں کے بارے میں بھی اختلاف ہو۔ مثلاً یہ کہ جنود اللہ کی تحریک ولی اللہی تصور کی حکومت الٰہیہ کی طالب تھی اور سارے ہندوستان کو دارالاسلام بنانا چاہتی تھی۔ دوسری تحریکیں انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے مقصد سے چلیں۔ اور آگے کی تشکیل پہ جھگڑا انہیں کیا۔ خاکسار عسکری قوت سے کم از کم شمالی ہندوستان کو اسلامی مملکت بنا دینا چاہتے تھے۔

نیت ان سب کی درست تھی لیکن قائداعظم کی بصیرت اور فطری ذکاوت نے یوں دیکھا کہ مذکورہ بالا حضرات کی باتیں خواب و خیال کا درجہ رکھتی تھیں۔ انگریز قانون سے بات کرتا تھا اور جمہوری اصول اکثریت میں یقین رکھتا تھا۔ لہٰذا قائداعظم نے وہ حل پیش کیا جو قابل عمل تھا اور آئینی لحاظ سے ان کے دلائل پہ جائز اعتراض کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

تاہم پچھلی تحریکوں کو نظر انداز کر دینا یا بُری نظر سے دیکھنا تعصب ہے۔ زیر تبصرہ کتاب شائع کرنے والوں نے میرے خیال میں قومی خدمت کا حق ادا کیا ہے۔

بقیہ: خطبہ جمعہ

آپس میں ملتی ہیں۔ آج جب کہ میں سربراہ بنا دیا گیا ہوں یہ اعلان کرتا ہوں کہ خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام کی پیروی کرنے والوں پہ تو کسی قسم کی کوئی سختی نہ پہلے ہوئی ہے نہ آئندہ ہو گی۔ لیکن جو خدا اور اس کے رسولؐ کے نافرمان ہوں گے، فاسق اور ظالم ہوں گے۔ عیاش اور بدکار ہوں گے۔ تو پھر دنیا جہنم کدہ بن جائے گی۔ جیسا کہ آج کل بنی ہوئی ہے۔

آج بدقسمتی سے دنیا کے ایک ارب مسلمان پریشان حال و بدبختی کا شکار ہیں۔ پریشان حال ہیں۔ اس میں ہماری نافرمانیوں کو دخل ہے۔ خدا کی اطاعت سے انحراف، پیغمبر کی سچی عقیدت سے محرومی ان کا باعث ہے۔ اور اس معاملہ میں حکمران سب سے زیادہ مجرم ہیں کیونکہ وہ خدا کی طرف سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پابند تھے۔ ان کا فرض تھا کہ ظلم و جور کو دنیا سے مٹانے، یہ حرکات کرنے والوں کے ہاتھ قلم کرتے لیکن وہ خود ہی ظلم و زیادتی کے رسیا ہیں۔ انسانیت آج ان کے اعمال سے نالاں ہے۔ وجہ ایک ہی ہے کہ اسلام جو خدا کا آخری اور پسندیدہ مذہب تھا اس کی ہدایات سے یہ لوگ نابلد ہیں۔ اور ان کا عمل و کردار انتہائی افسوسناک و شرمناک ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے۔ ہمارے حکمرانوں کو تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرنے کی توفیق بخشے اور انہیں حضرت قدس سرہ کے الفاظ میں خدا کو عبادت خدا کے نبی کو اطاعت اور خدا کی مخلوق کو خدمت سے راضی کرنے کی توفیق دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ایک ضرورت، ایک تقاضا

"تاریخ اسلام کی تدوینِ جدید"

قاری محمد سلیمان ٹیکسلا

ہمارے محترم دوست قاری صاحب نے ایک انتہائی اہم مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے۔ ہم اربابِ فکر و بصیرت کو دعوتِ عام دیتے ہیں ——— (ادارہ)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ پاکیزہ ترین جماعت ہیں اور انبیاء کرام کے بعد مخلوقات میں بہترین خلائق ہیں۔ البتہ ان کے آپس میں بے شک درجات ہیں لیکن سب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اچھا وعدہ ہے اور قیامت کے دن مومنوں کو جنت میں جو سب سے بڑا انعام ملے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ صحابہ کرام کو یہ انعام اللہ تعالیٰ نے دُنیا ہی میں عطا فرما دیا تھا۔ اسی لیے صحابہ کرام کے لیے شرعی اصطلاح جو استعمال کی جاتی ہے وہ رضی اللہ عنہ ہے۔

رہا مسئلہ تاریخ کا تو اہلِ علم کے ہاں یہ مصدقہ بات ہے کہ زمانۂ سابق کے تمام تاریخی مجموعہ جات ان مؤرخین کی عظیم کوششیں ہیں جن کو بنظرِ استحسان دیکھا جائے گا کیونکہ وہ اپنے حالات کے اعتبار سے یہی کچھ کر سکتے تھے کہ تاریخی مواد اکٹھا کر گئے۔

اب ان تواریخ پر نقد و جرح پچھلوں کا کام ہے ہم کسی تاریخی مجموعہ کو نہ مستند کہہ سکتے ہیں نہ غیر مستند۔

استناد یا غیر استناد کا تعلق ان کی روایات سے ہے خصوصاً صحابہ کرام کا مسئلہ تو عقائدِ اسلام کا مسئلہ ہے۔

یہ درست ہے کہ ہر مؤرخ کے لیے ایک پہلو ہوتا ہے جسے وہ اپنے لیے مخصوص کر کے اپنا سارا زورِ مطالعہ اسی پر صرف کر دیتا ہے۔ لیکن صحابہ کرام کے بارے میں مسلمان مؤرخ کو "الصحابۃ کلہم عدول" کے ضابطہ کو کسی بھی پہلو میں ترک نہ کرنا چاہیے اسی لیے کہا گیا ہے کہ صحابہ کرام سے متعلق کسی بھی تاریخی روایت کو نقد و جرح کے بغیر نہیں لیا جا سکتا۔ البتہ قرآن و حدیث کے ساتھ جو تاریخی روایات جوڑ کھائیں گی ان کو لے لیا جائے گا۔ اس لیے کہ قابلِ تنقید تو سابقہ مؤرخین، رواۃ اور روایات ہیں نہ کہ صحابہ کرام۔

اس سلسلہ میں ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر تاریخ میں بھی جرح و تعدیل سے کام لیا گیا تو تاریخ کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ یہ صحیح نہیں اس لیے کہ جب یہ مسلّم ہے کہ تواریخ صرف روایات کا ذخیرہ ہیں۔ اور ان میں موافق، مخالف ہر دو قسم کی روایات ہیں تو ظاہر ہے کہ جس نے نقد و جرح کے بغیر اپنے قائم کردہ مزعومہ کی بنا پر مخالف روایات کو لیا تو دوسری قسم اس سے رہ گئی۔ تاریخ کا بہت سا حصہ تو اس طرح بھی ضائع ہو گیا (اگر ضائع ہونا اسی کو سمجھا جاتا ہے) یہ ایک علمی فریب ہے یا پھر تحقیقی کام سے گلو خلاصی کا آسان بہانہ ہے۔ ورنہ اس دور کا "اصل تاریخی کام ان تاریخی ماخذوں کی روایات اور رواۃ کی چھان پھٹک اور جرح و تعدیل سے نئی تاریخ مدوّن کرنا ہے۔" اس دور میں "علمِ تاریخ" نے ایک اہم حیثیت حاصل کر لی ہے۔ اس لیے اگر ہمیں علمِ تاریخ کی رو سے بھی صحابۂ کرام کو دیکھنا ہے تو اس کے لیے صرف یہی ایک مذکورہ راستہ ہے ورنہ صحابۂ کرام کی سیرتیں، ان کے کارہائے نمایاں، ان کا کردار تو قرآن و حدیث نے بیان کر دیا اور علماء علمِ کلام نے ان سے متعلقہ عقائد تو صدیوں پہلے مدوّن فرما دیے۔ علمِ تاریخ کی اہمیت کی وجہ سے بس اس کا یہی ایک حل ہے ورنہ تاریخ کا مسلمان طالب علم ذہنی طور پر متشوّش اور تضاد بیانی کا شکار ہو جائے گا۔ جب وہ دیکھے گا کہ حاملینِ اسلام کا ہراول دستہ اور سب سے پہلی جماعت جس نے خود شارع علیہ السلام سے بلا واسطہ تلمذ کیا اور براہِ راست ان کی صحبت سے مستفیض و مستفید ہوا۔ اس کے بارے میں قرآن و حدیث اور مسلمانوں

کے مسئلہ عقائد تو کچھ بتا رہے ہیں اور تاریخ کچھ، تو اب تاریخ
کا طالب علم کہاں جائے۔ ؎

نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن

قرآن و حدیث کو کھول کے دیکھتا ہے تو صحابہ اسے ایک عجیب
جماعت اور انوکھا طبقہ نظر آتے ہیں اور ایک ایک صحابی ایمان
وعمل، کردار و اخلاق، اخلاص وللہیت، محبت و وارفتگی اور
انسانیت کا وہ پیکر نظر آتا ہے جس کی نظیر صفحۂ ہستی پر امتوں
میں بہت کم دیکھی گئی۔ نفس اور نفسانی خواہشات سے کوسوں
دُور حدودِ الٰہیہ کے محافظ، اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء پر اپنا سب کچھ تج دینے والے
اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کوئی پرواہ نہ
کرنے والے۔

یہ اوصاف حمیدہ اس پوری سوسائٹی کے ہر فرد وبشر،
اعلیٰ و ادنیٰ اور افسر و ماتحت میں نظر آتے ہیں لیکن
جوں جوں آگے بڑھتا ہے اور نبوت کا دور ختم کر کے خلافت
تک پہنچتا ہے تو اسے اِکّا دُکّا واقعات اس معیار سے گرے
ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور ابھی خلافت کا تیسرا دور بشکل نصف
آخر میں قدم رکھتا ہے کہ اسے دفعتاً تبدیلی نظر آتی ہے اور
اسے یہ دکھایا جاتا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو نبوت کے پروردہ
ہیں، صحابی ہیں اور صحابی بھی عام نہیں۔ مقتدر صحابی۔ صف
اوّل میں شمار ہونے والے۔ سابقون الاولون، عشرہ مبشرہ میں
سے، حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی گہری
نسبت بھی رکھنے والے، اب دفعتاً بدل گئے۔ خلافت کی
کرسی انہیں راس نہیں آئی (نعوذ باللہ)۔ اب جوں جوں وہ
آگے بڑھتا ہے توں توں اسے ظلم، تعدی، اقربا پروری، رشوت،
بد دیانتی اور مکروہ قسم کی سیاست کے وہ نمونے ملتے ہیں
جن سے آج کا دور بھی شرماتا ہے۔ طالب علم ..... یہ پڑھ
کر سر پیٹ کے رہ جاتا ہے۔ اس کے اوسان خطا ہو جاتے
ہیں، ہمت جواب دے جاتی ہے۔ آنکھیں موند جاتی ہیں اور
وہ انتہائی گہری سوچ میں چلا جاتا ہے یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔
اب ایک نظر اٹھا کے وہ قرآن و حدیث کو دیکھتا ہے اور
دوسری طرف تاریخ کو تو اُسے زبردست تضاد نظر آتا ہے
اب ظاہر ہے بحیثیت مسلمان وہ قرآن کو تو جھٹلا نہیں سکتا
اور حدیث کا انکار نہیں کر سکتا۔ لے دے کے تاریخ ہی رہ
جاتی ہے اور تاریخ کا وہ طالب علم ہے۔ اس میں اس نے
بی اے، ایم اے کرنا ہے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری لینی ہے۔
اس لیے وہ طالب علم آج کے دور کے علماء، مفکرین، محدثین اور
اُمت کے صاحب علم و قلم طبقہ سے پوچھتا ہے کہ مجھے اس کا
حل بتاؤ۔ میری اس اُلجھن کو دُور کرو۔

قرآن نے آکر دوسری امتوں اور ان کے انبیا کی پوزیشن صاف
کی۔ ان کی تاریخوں کو قصے، کہانیوں اور من گھڑت افسانوں سے
نکال کر حقیقت کا رنگ بخشا۔ کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا۔ آج
خود اس کے حاملین اور حاملینِ اوّلین کا دامن کس طرح داغدار
ہو گیا۔ اس کا آسان حل وہی ہے جو مذکور ہو چکا کہ!
ان اصلی تاریخی ماخذوں سے روایات اور رواۃ کی جرح تعدیل
کے ساتھ نئے سرے سے تاریخ کو مدوّن کیا جائے اور خصوصاً
ان حصص اور ان ابواب پر کھل کر عقلی و نقلی بحث کی جائے
جو آج تک تختہ مشق بنے ہوئے ہیں۔ اور قلم وہ صاحب
اٹھائیں جو قرآن کریم، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گہری
نظر رکھتے ہوں۔ تاریخ کا بھی معتدبہ مطالعہ ہو۔ دینی مزاج
کے ساتھ ساتھ عقائد کی اونچ نیچ سے بھی واقف ہوں اور
روزِ اوّل سے اسلام، شارع علیہ السلام، صحابیت اور احادیث
کے خلاف جو فتنے مختلف وقتوں میں اٹھے ہیں ان کا بھی کماحقہ
علم رکھتے ہوں اور پھر صاحب قلم بھی ہوں اور مذکورہ صفات
کے حامل بورڈ کے سامنے ان کی کاوش پر سیر حاصل تبصرہ کیا
جائے اور ظاہر ہے اس کے لیے وقت، فرصت اور کافی
دماغ سوزی چاہیے۔ ورنہ اگر کوئی عام سطح کا آدمی ان اصولوں
سے ہٹ کر اس تاریخی تحقیقی موضوع پر قلم اٹھائے گا تو لامحالہ
نئے مفاسد، اُلجھنوں اور اُمت کے لیے نئے فتنوں کا دروازہ
کھولے گا۔ مثال ہمارے سامنے ہے۔

ایک اچھے صاحب قلم، بہترین ادیب اور اپنے تئیں
اچھے بھلے مفکر اس اُلجھن کا حل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں
کہ صحابہ روایت حدیث کی حد تک تو عادل ہیں لیکن اپنی عملی
زندگی میں وہ معاذ اللہ فاسق و فاجر بھی ہو سکتے ہیں۔ غور
فرمائیں یہ بات کس حد تک غلط اور خطرناک ہے اس لیے
کہ اگر کسی صحابی کو فاسق فاجر مان لیا جائے تو آخر روایت
حدیث کے معاملے میں اسے فرشتہ کیونکر تسلیم کیا جائے۔
جو آدمی اپنے ذاتی مفاد کے لیے جھوٹ، فریب، رشوت،

خیانت اور غداری کا مرتکب ہو سکتا ہے تو وہ اپنے مفاد کے لیے جھوٹی حدیث کیوں نہیں گھڑ سکتا۔ دراصل یہ علمی بددیانتی ہے جس کے ذریعے نوخیز ذہنوں اور نوجوان نسل کو الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ صحابہ کی عملی زندگی سے بدظن کرنا مقصود ہے اور اسی سے انکارِ حدیث کے فتنے نے جنم لیا ہے۔ اور اپنے زعم باطل میں یہ لوگ علم تاریخ اور طلباء تاریخ کی خدمت کر رہے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

آج کے اس دور میں جب کہ دوسری قومیں اپنی مردہ تہذیبوں کو زندہ کرنے کی کوششیں کر رہی ہیں جن کا ماضی تاریک تھا وہ حال کو روشن کرنے کی تگ و دو میں ہیں تاکہ مستقبل تابناک ہو بلکہ بعض طبقات تو فرضی ناموں کو حقیقت بنا کر اپنی حیثیت قابلِ فخر بنانے میں مصروف ہیں۔ اور ہم دین کامل و اکمل اور عالم گیر نظامِ حیات کے نام لیوا اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر تحقیق اور تاریخ کے عنوان سے روشنی کے ان میناروں کو گرانے کی سعیٔ ناپاک کریں جن سے عرب و عجم میں نور پھیلا جن کے کارنامے زندۂ جاوید ہیں۔ جن کا کردار آج بھی انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ فیا للعجب!

تف ہے ان استعدادوں اور صلاحیتوں پہ اور قلم کی ان جولانیوں پر جن سے اگر ٹپکتی ہے تو سیاہی اور سیاہ بختی ہی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ان کا رُخ منافقین، معاندین اور اسلام کے ان سازشیوں کی طرف ہوتا جنہوں نے خلافت کے خلاف ایکا کر لیا اور بالآخر اس کو تاراج کرنے کی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

یا پھر وہ اپنی خداداد صلاحیتوں اور زورِ قلم سے تاریخ کی دبیز تہوں سے صحابہ کرام کے حقیقی کارناموں کو منصۂ شہود پر لاتے جن سے صحابیت کا چہرہ (جو اپنوں اور غیروں کی دسیسہ کاریوں میں دب گیا تھا) آج بھی روز روشن کی طرح چمک دار ہو جاتا تو واقعی یہ ایک کارنامہ تھا جس پر وہ امت سے داد حاصل کرتے اور خود ان کے لیے بھی یہ صحیفۂ نجات ہوتا۔ کرنے کا اگر کوئی کام تھا تو یہ تھا لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! جو کچھ ہوا وہ علم تاریخ کی کچھ خدمت نہیں اور طالب علم کے لیے کوئی حل نہیں بلکہ نئی الجھن ہے۔

ذیل میں ہم ان ہی تاریخی ماخذوں سے مذکورہ اصول کے مطابق ان صحابۂ کرام کے حالات کو بیان کریں گے جن کو اکثر موردِ الزام ٹھہرایا گیا ہے اور خصوصاً خلافت کے باب میں تو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ دینِ اسلام کو کمزور کرنے میں اوّل سے آخر تک یہی قوّت صحابیت مسلسل کام کرتی رہی ہے (العیاذ باللہ) اور یہ بھی واضح کریں گے کہ خلافت کے زوال کا سبب (نعوذ باللہ) خود خلفاء نہ تھے بلکہ زوال کا بڑا سبب (علاوہ اور اسباب کے جو حسب موقعہ ضمناً بیان کئے جائیں گے) وہ سازشی اور ان کی سازشیں تھیں جو خود شارع علیہ السلام کے خلاف دارِ ہجرت سے اور صحابیت، احادیث اور پورے دین کے خلاف سلطنت کے مختلف گوشوں سے مختلف اوقات میں اُٹھائی گئیں جن سے دین کا اہم حصہ اسلام کا نظامِ سیاست (خلافت) بڑی حد تک متاثر ہوا

جن میں اہم کردار عبداللہ بن ابی بن سلول، ابو عامر راہب خزرجی، سلام بن مشکم، صبیغ العراقی، حکیم بن جبلہ، زید بن قیس، مالک بن اشتر، ہرمزان، جفینہ، ابو لولو فیروز، عبداللہ بن سبا، عبدالرحمٰن بن ملجم، برک بن عبداللہ، عمرو بن بکر، عمرو بن جرموز، حرقوص عبداللہ بن واہب راسی وغیرہ کا ہے جو مختلف اوقات میں مختلف روپ دھار کر خود شارع علیہ السلام، صحابیت، احادیث اور خلافت و خلفاء کے خلاف برسرِ پیکار رہے ہیں اور ابتدائی طور پر یہی لوگ تاریخ اسلامی کے درخشاں چہرے کو مسخ کرنے والے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سازشی کے مفصل حالات ذیل میں بیان کئے جائیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے اور پروردہ وہ صحابہؓ جن کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا ہے وہ تو دین کے لیے سپر بنے رہے۔ خصوصاً حضرت عثمانؓ اور ان کے عمّال حضرت علیؓ اور ان کے عمّال، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت مروانؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تو اپنے تئیں ان سازشوں کا مقابلہ کیا اور خوب کیا اور یہ ان کی سعیٔ مشکور کا نتیجہ ہے کہ آج دین کامل اپنی اصلی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ گو دین کا ایک اہم حصہ اسلام کا نظام سیاسی (خلافت) کافی حد تک متاثر ہوا اور اتنا کچھ تو ہونا ہی تھا۔ اور یہ بھی صحابہ کی قربانیوں کا نتیجہ ہے ورنہ وہ سازشی تو نہ صرف یہ کہ نظامِ خلافت کو پھونک دینے کے درپے تھے بلکہ پورے کے پورے دین اور دین کے ہر ہر جزو کو ملیا میٹ کرنے کی زبردست سازش کر چکے تھے اور یہاں تک بسا اوقات بتقاضائے بشریت چند صحابہ بھی ان کی انتہائی گہری سازشوں اور مکروہ

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

افکار معاصرین

پاکستان میں نصابِ تعلیم ـــــ اصل تقاضے

اسلام کو ایک مضمون کے طور پر محدود نہیں پورے نصاب پر محیط رکھا جائے

خواجہ معین الدین جمیل ایم۔ اے

قومی اسمبلی نے حکومت کی تعلیمی پالیسی کے مطابق یکساں نصاب کو رائج کرنے کی غرض سے ایک وفاقی اتھارٹی کے قیام کے بل کی منظوری دے دی ہے وزیر تعلیم نے اس بل پر بحث کرتے ہوئے بعض اہم مقاصد کی طرف توجہ دلائی ہے جو قابل غور ہیں۔ انہوں نے زور دیا کہ نظام تعلیم صحیح معنوں میں اسلامی خطوط پر مرتب کیا جا رہا ہے۔ اور اسلامی نظریات کو مکمل تحفظ دیا گیا ہے۔ نظریہ پاکستان کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ اس نظریہ سے ہٹ کر بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نصاب پاکستان کے بنیادی نظریات کے مطابق اور تعلیمی مقاصد اور معیار کے عین مطابق ہوگا۔ وزیر تعلیم کو احساس ہے کہ ہمیں ورثہ میں فرسودہ نظام تعلیم ملا ہے جس کی وجہ سے تعلیمی معیار گر گیا ہے۔ تعلیمی پالیسی کا مقصد اس معیار کو بڑھانا اور قومی یکجہتی کو فروغ دینا ہے اس سلسلہ میں انہوں نے ان مساعی کا بھی ذکر کیا۔ جو ملک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو ترقی دینے کے لئے کی جا رہی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے طلبہ کی فنی اور ذہنی صلاحیتیں بڑھ جائیں گی اور وہ تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے ہاتھ سے بھی کام کر سکیں گے مختصر یہ کہ نصاب تعلیم کو ترتیب دینے میں حسب ذیل اصولوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

۱۔ یہ کہ نصاب صحیح معنوں میں اسلامی خطوط پر مرتب کیا جائے گا اور اسلامی نظریات کو مکمل تحفظ دیا جائے گا۔

۲۔ نصاب پاکستان کے بنیادی نظریہ کے مطابق ہوگا جس سے قومی یکجہتی کو فروغ حاصل ہوگا۔ ۳۔ اس میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی خاص اہمیت ہوگی۔

اب میں ان نکات میں سے مذکورہ پہلے دو نکتوں پر اس گفتگو کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو اسمبلی میں ہوئی کچھ روشنی ڈالوں گا۔

۱۔ اسلامی خطوط پر نصاب کی تیاری سے متعلق کسی رکن نے خیال ظاہر کیا کہ محض اسلامیات کا ایک پیریڈ رکھنے سے اسلامی تعلیمات کے تقاضے پورے نہیں۔ ان کا کہنا ہے۔ کہ نصاب اور نصابی کتب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مرتب کی جائیں اور اتھارٹی میں بھی اسلامی نظام کارفرما ہو ورنہ سقوط مشرقی پاکستان ایسا سانحہ دوبارہ بھی آ سکتا ہے۔ نیز انہوں نے اتھارٹی میں اسلامی ذہن رکھنے والوں کے تقرر پر زور دیا۔ اس طرح امید کی جا سکتی ہے کہ اس سے علاقائیت کی لعنت ختم ہو سکے گی۔ تعلیمی معیار بلند ہوگا اور روزمرہ کے ہنگاموں سے بھی نجات مل سکے گی۔

یہ ایک افسوسناک بات ہے کہ ہم اسلام کو بھی دیگر ادیان کی طرح ایک مضمون سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ہمارا فلسفہ حیات ہے اور کچھ ایسا ہی فلسفہ ہے جیسے کہ مشرقی یورپ اور مغربی ممالک کے لئے اشتراکیت اور جمہوریت کے فلسفے ہیں۔ یہ غلط فہمی ہمیں اس لئے ہے کہ انگریزوں کے زمانے سے لے کر اب تک یہ باور کرایا جاتا رہا ہے کہ اسلام بھی عیسائیت اور بدھ مت وغیرہ کی طرح ایک مذہب ہے جس کا دائرہ عمل صرف روحانی تصورات کو اجاگر کرتا ہے مگر اسلام تو مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ جہاں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق کھلے احکام ہیں۔ مسلمانوں کی پوری زندگی اسی کے تابع ہونی چاہیے۔ اگر ہم کسی مرحلہ پر بھی اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں تو ہم اسی سزا کے مستحق ہو جاتے ہیں، جو میدان سے بھاگتے ہوئے ایک سپاہی کے لئے ہوتی ہے۔

چونکہ سال ہا سال سے ہمارے نصاب میں اسلام کو بطور ایک مضمون پڑھایا جاتا رہا ہے اس لئے ہمارے فارغ التحصیل اساتذہ پر ابھی یہ بات منکشف نہیں ہوتی کہ سوائے سائنس اور ٹیکنالوجی کے شاذ ہی کوئی مضمون ایسا ہے جس میں اسلامی نظریات سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان سے علم و دانش کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ خود سائنس اور ٹیکنالوجی کے ماہرین کو بھی اپنے مقاصد متعین کرنے اور اپنے علم سے فلاح دارین حاصل کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات سے واقفیت ضروری ہے۔

جن ملکوں میں صحیح معنوں میں اسلام پر عمل ہوتا ہے وہاں اسلام کا ایک پیریڈ تو اسلام کے بنیادی تصورات کو واضح کرنے کے لئے رکھا جاتا ہے ورنہ ہر مضمون کو پڑھاتے وقت اس سے متعلقہ اسلامی نظریات

اور مستند مسلم مفکرین کی تحریروں کو سامنے رکھنا ضروری ہوتا ہے اسلامی طرزِ زندگی میں لوٹ کھسوٹ (سرمایہ داری) ظلم و استبداد خواہ وہ مزدوروں کی آمریت ہی کیوں نہ ہو، اور بے راہ روی (جمہوریتوں میں آزادی) کو دور کر کے ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کرتی ہے جو ان عیوب سے پاک ہوتا ہے۔ انسانیت ہو کہ عمرانی علوم، ان کا ہر شعبہ علوم متعلقہ اسلامی نظریات کا ذکر کئے بغیر تشنہ رہ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر عمرانی علوم میں علم شہریت ہی کو لیجئے۔ اس مضمون کی تعلیم ثانوی جماعتوں سے ہی شروع ہو جاتی ہے بالعموم اس کا مفہوم سمجھانے کے لئے مغربی مفکرین کے خیالات پیش کئے جاتے ہیں ہمارے طلبہ کو اس نظریہ سے واقف نہیں کرایا جاتا، جس کی رو سے مسلمان ایک لحاظ سے دنیا کا شہری ہوتا ہے اور دوسرے معنوں میں وہ مسلم مملکت کی خدمت کے لئے وقف ہوتا ہے اور اس کی حفاظت کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دیتا ہے کیونکہ وہاں خدائی احکام کی حکمرانی ہوتی ہے۔ تمام انسانوں کے حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے۔ لیکن کسی کو اس کی اجازت نہیں ہوتی کہ وہ خدائی نظام کو درہم برہم کر دے۔ اسی مضمون میں جب جمہوریت سوشلزم (اجتماعیت) اور کمیونزم کے نظریات کو پیش کیا جاتا ہے تو اہمیت ان تصورات پر دی جاتی ہے، جو شرعی حکومت سے متعلق ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مذکورہ نظریات پر اسی کی روشنی میں تنقید و تبصرہ ضروری ہوتا ہے۔

یہ تو ایک مضمون کے ایک مختصر جزو کے متعلق تبصرہ تھا۔ ورنہ خواہ عمرانیات (جس کے باوا آدم ابن خلدون تھے) ہو خواہ معاشیات یا اور مضمون فکر اسلامی ان پر حاوی ہے۔ یہ کہنا آسان ہے کہ ہمیں ایک فرسودہ تعلیمی نظام ملا ہے۔ لیکن اس کو ایک مسلمان ملک کی ضروریات کے مطابق بنانا بہت مشکل کام ہے۔ یہاں تو حالت یہ ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ حضرات اسلام کی بنیادی تعلیمات ہی سے ناواقف ہیں۔

ایک سینیئر پروفیسر صاحب جو پاکستان کی ایک بڑی یونیورسٹی کے شعبہ سیاسیات سے متعلق ہیں اور ماشاء اللہ اسلام پر مضامین بھی لکھتے رہتے ہیں، جب ان سے اسلامی نظریہ حکومت کے متعلق گفتگو ہوئی اور دریافت کیا گیا۔ "کیا آپ کو وہ معاہدہ بھی یاد ہے جو آپ نے اسلام لاتے وقت اللہ سے کیا تھا" تو فرمانے لگے کہ آپ تو عجیب و غریب سوال کرتے ہیں ہم کب مسلمان ہوئے تھے اور ہم نے کسی سے کب معاہدہ کیا تھا؟ ہمارے ماں باپ مسلمان تھے اس لئے ہم بھی مسلمان ہیں۔

جب پروفیسروں کے علم کا یہ حال ہے تو اسلامی نظریات کا خدا ہی حافظ ہے۔ یہ کام تو وہی اساتذہ انجام دے سکتے ہیں جو اپنے اپنے شعبوں میں مغربی مفکرین کے نظریات اور متعلقہ اسلامی اصولوں کا تقابلی مطالعہ کر چکے ہیں۔ ہمارے ملک میں کتنے ایسے حضرات ہیں، اور اگر کچھ ہیں بھی تو انہیں کون پوچھتا ہے یا ان کی خدمات سے کون استفادہ کرنا چاہتا ہے؟ ان حالات میں صحیح اسلامی نقطۂ نظر سے مختلف مکاتب خیال پر تنقیدی زاویۂ نگاہ سے کتابیں لکھنا بعید از قیاس ہے لیکن اگر کم از کم دیگر اور نظریات کے ساتھ اسلامی تعلیمات ہی پیش کر دی جائیں تو وہ بھی ہمارے طلبہ کی صحیح تربیت کی جانب ایک قدم ہوگا۔ لیکن اس کے لئے بھی ہمارے اساتذہ اور تحقیقاتی کام کرنے والوں کو جدید کتابیں لکھنی ہوں گی۔ بیرونِ ملک سے جو کتابیں یہاں آتی ہیں ان کے لئے ضمیمے شائع کرنے ہوں گے جن میں علمی نقطۂ نظر سے ان خیالات کو رد کیا جائے گا جو ہماری آئیڈیالوجی سے مطابقت نہیں رکھتے۔ محض کتابوں کے سستے ایڈیشن چھاپنے سے نہ علم کی خدمت ہوتی ہے اور نہ ہمارے ماحول میں مغربی مفکرین کو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے اس سے کون واقف نہیں کہ ہمارے طلبہ اسباق کو ازبر کر کے امتحان کو پاس کر لیتے ہیں مگر اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اگر یہ سب کچھ ہم نہیں کر سکتے تو ہمیں تسلیم کر لینا چاہیئے کہ ہم نہ اپنے آپ سے واقف ہیں اور نہ کسی اور کو سمجھا سکتے ہیں کہ ہم کیا ہیں؟

۲- اسمبلی میں پاکستان کے بنیادی نظریہ کے متعلق بھی کافی بحث ہوئی۔ حکومت کو مشورہ دیا گیا ہے کہ نظریہ پاکستان پر یقین رکھنے والوں سے کام لینا چاہیئے مگر اس کے بعد ایسے واقعات ہوئے جس سے یہ شکوک پیدا ہوئے کہ نظریہ پاکستان سے کوئی دلچسپی نہیں رہی کیونکہ اس نظریہ کے مخالفین کو وزارت تعلیم میں متمکن کیا گیا۔ اس سلسلہ میں صوبائی اختلافات کا ذکر بھی چھڑ گیا اور پوچھا گیا کہ جب آپ چار ثقافتوں کا پرچار کرتے ہیں تو اس سے چار قومیتیں مراد لی جاتی ہیں تو پھر ان کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ اگر بل کا مقصد قومی یک جہتی ہے تو پھر چار علاقائی زبانوں میں مباحثوں کی کیا ضرورت اور ریڈیو اور ٹی وی پر چار ثقافتوں کا پرچار کیوں کیا جا رہا ہے۔ اس سے آئندہ چل کر سخت تباہی آ سکتی ہے۔ روس کے نظام تعلیم کی بھی مثال دی گئی اور بتلایا گیا کہ روس میں علاقائی زبانوں اور علاقائی ثقافتوں کی بنیاد پر تعلیمی نظام مرتب کیا گیا ہے تاکہ روس کی پانچ جمہوریتیں اسلام کے نام پر متحد نہ ہو سکیں مگر پاکستان میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ یہ ایک نظریاتی مملکت ہے جس کی بنیاد مسلم قومیت ہے"

ہماری غلط فہمیوں کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ حضرات بھی آئے دن اپنی تحریروں اور تقریروں میں ایسے محاورے اور اصطلاحات استعمال کرتے ہیں جن کا کوئی واضح مفہوم ان کے ذہنوں میں نہیں ہوتا۔ ان میں سے ایک نظریہ پاکستان کی اصطلاح بھی ہے۔ اس کی تشریح میں جتنے منہ اتنی باتیں ہیں۔ پاکستان کو وجود میں آئے ۲۹ سال کا عرصہ ہو چکا ہے کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ قومی سطح پر اس کی وضاحت کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اس کو قصداً مبہم رکھا گیا ہے تاکہ اس سے ہر عمل کا جواز ڈھونڈا جائے اور یہ بات قومی

زندگی کے لئے سم قاتل ہے یا پھر ہم اس مقصد ہی کو بھول گئے ہیں جس کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا۔

مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی اسلام کو اختیار کرنے کے بعد اسلامی اصولوں سے روگردانی کرے تو اس پر جلد یا بدیر عذاب نازل ہوتا ہے اگر اس پر ہمارا ایمان ہے تو اللہ کے نام پر مسلمانوں کے لئے پاکستان بنانے والے جب اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ الاپنے لگیں تو جلد یا بدیر وہ نعمت بھی ہم سے چھینی جا سکتی ہے جس کی وجہ سے ہم آج دنیا میں منہ دکھانے کے قابل ہیں یہ بات بہرحال طے ہے کہ نظریہ پاکستان کا تعلق ان نظریات سے بالکل نہیں جن کی رو سے خود پاکستان کے باشندوں کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا جاتا ہے ہمیں تو اس نظریہ سے بحث ہے جس کے پیش نظر رکھ کر برصغیر کے تمام مسلمانوں نے اس ملک کی بنیاد رکھی تھی وہ سب ایک زبان ہو کر فقط پاکستان کے ساتھ لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے تھے

یہ وہ نعرے نہ تھے جن کا مفہوم مبہم ہے۔ نعرے لگانے والے جانتے تھے کہ برصغیر کے اس کفرستان میں ایک ایسی خلافت و حکومت قائم ہوگی جیسی کہ ملک عرب کے غیر اسلامی ماحول میں مدینہ طیبہ میں آنحضرت نے قائم کی تھی اور یہ کہ یہاں صرف اللہ کی حکومت ہوگی۔ اور اہل ملک صرف اسی کی غلامی کریں گے۔

لا الہ الا اللہ کا فلسفہ ہی یہ ہے کہ مسلمان اللہ کے سوا کسی کو فائدہ پہنچانے والا یا نقصان پہنچانے والا نہیں سمجھتا کیونکہ یہ شرک ہے اور غیر حق کی غلامی کا پیغام جو بدترین گناہ ہے۔ اس کے صریح معنی یہ تھے کہ یہاں صرف قوانین شرعیہ کی حکومت ہوگی، نہ کوئی اولی الامر خدائی احکام کے خلاف عمل کرے گا۔ اور نہ اس قسم کا حکم دے سکے گا۔ ملک میں اتنی ہی آزادی ہوگی جو شرعاً جائز ہے۔ مساوات کے لئے کسب حلال، زکوۃ، عفو اور بیت المال کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ اور دین و دنیا میں کامیابی کے وہی اصول ہوں گے۔ جو کتاب اللہ اور سنت رسول سے واضح ہوتے ہیں۔ اگر اس مقصد کے علاوہ ہمارے قائدین کا کچھ اور مقصد تھا تو وہ ضرور ہمیں بتلا دیتے کیونکہ وہ سب مخلص تھے۔ اس کے بعد دیکھا جاتا کہ پاکستان کے لئے کون ووٹ دیتا۔ اب جو لوگ پاکستان سے متعلق نئے نئے نظریات تراش رہے ہیں وہ یا تو جانتے نہیں کہ کیا چاہتے ہیں یا پھر ماننا پڑے گا کہ وہ کسی اور کے آلہ کار ہیں۔

اسمبلی میں اردو میڈیم اور انگریزی میڈیم سکولوں پر بھی بحث ہوئی ملک میں تعلیم کو فروغ دینے والوں کے ذہن میں اس دوعملی کا ضرور کوئی مقصد ہوگا اور وہ شاید بہتر ہی ہو لیکن چونکہ عوام کو اس سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ اس مسئلہ کے متعلق بھی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں کچھ لوگ اعلانیہ کہہ رہے ہیں کہ حکمران طبقہ کی اولاد انگریزی میڈیم میں تعلیم پا کر ان کی جگہ لے گی۔ امر واقعہ کیا ہے اس پر ارباب اقتدار ہی روشنی ڈال سکتے ہیں۔ اتنا تو سب کو معلوم ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی قوم ہے جس کی اپنی کوئی قومی زبان نہیں۔ سات سمندر پار کی اس زبان میں جب کانفرنسوں میں حکومت کے نمائندے اور تعلیم یافتہ حضرات موشگافیاں کرتے ہیں تو عام لوگ حیرت سے ان کا منہ تکتے ہیں اور یہ بہت خوش ہوتے ہیں کہ انہوں نے اپنے گزشتہ آقاؤں کی زبان میں اپنا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا جو انہی کی طرح احساس کمتری کے شکار ہیں۔

غیر اقوام بھی ہماری اس حکمت عملی کو نہیں سمجھ سکی ہیں، البتہ جب انگریز یا امریکی ان کانفرنسوں میں حصہ لیتے ہیں تو دل ہی دل میں بہت خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا دوہ جو سر چڑھ کر بولے۔ ملک میں ہر سطح پر قومی زبان سے کام نہ لینے کے معنی یہ ہیں کہ ہم زبان حال سے اعلان کر رہے ہیں کہ ہماری زبانیں ناکارہ ہیں اور ان میں سے کسی میں بھی یہ اہلیت نہیں کہ وہ زمانہ کا ساتھ دے سکے۔ یہ بات بھی بدیہی ہے کہ ہم اس زمانہ میں ماڈرنزم کے بغیر ترقی نہیں کر سکتے۔ اگر ہمیں ماڈرن ہی بننا ہے تو کیوں نہ ہم انگریزی کو قومی زبان بنا لیں اس سے کم از کم دوعملی تو ختم ہو جائے گی جو ناقابل برداشت ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر اکثریت کے فیصلہ کی بنا پر کسی پارٹی کو حکومت کرنے کا حق مل جاتا ہے تو قومی زبان کے معاملہ میں اکثریت کے فیصلہ پر کیوں عمل نہیں ہو سکتا۔ اگر جامعہ عثمانیہ کے کامیاب تجربہ کے بعد بھی ہماری ذہنیت نہیں بدلی۔ تو ماننا پڑے گا کہ ہمارا مرض لاعلاج ہے۔ مذہب، زبان اور ثقافت کسی قوم بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تمام دنیا کو علم ہے کہ اسلام اور ہندومت کے فرق کی وجہ سے پاکستان وجود میں آیا ہے لیکن جب مسلمانوں کے کسی ملک میں ان کے دلوں سے خدا کا خوف نکل جاتا ہے تو وہ اپنی زبان اور ثقافت پر اہمیت دینے لگتے ہیں۔ کیونکہ انسانی دماغ میں کسی وقت بھی خلا نہیں رہتا۔ مشرقی پاکستان میں پہلے پہل ہندو بنگالیوں نے بنگالی زبان اور بنگالی ثقافت کا پرچار شروع کیا۔ لیکن جس دن صدر ایوب (سابق) نے ان کو اہمیت دے کر یہ اعلان کر دیا کہ مشرقی پاکستان کی زبان اور تہذیب علیحدہ ہے اسی دن اہل نظر نے سمجھ لیا کہ مشرقی پاکستان کا سقوط ہو گیا۔ اب اگر اس سانحہ کے بعد بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں تو ہمیں ابھی سے ان حالات سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے جن سے اس وقت بنگلہ دیش دوچار ہے۔

ذخیرہ فلسفہ کیا ہے جو ہمارے ملک کے تمام باشندوں کو ایک کرتا ہے یہ تو سوائے اسلام کے کچھ اور نہیں۔ جب چار ثقافتیں چار زبانیں ہیں اور قوانین شرعیہ غائب تو اس کے صریح معنی یہ ہیں کہ یہاں چار قومیں ہیں اور ان کو ملانے والی کوئی شے نہیں۔ لیکن اگر اسلام ہے تو یہی چار یا اس سے زیادہ ثقافتیں اور زبانیں مختلف رنگ کے ایک ہی قسم کے پھولوں کی طرح بن جاتی ہیں جن میں ایک ہی خوشبو ہوتی ہے اور یہ خوشبو لا الٰہ الا اللہ کی ہوگی اور ان میں کوئی اختلاف نہیں رہے گا البتہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مسلمان صرف مردم شماری کے مسلمان نہ ہوں۔

وزیر تعلیم کے بیان سے یہ پتہ نہیں چلا کہ معیار تعلیم کیوں گر گیا ہے بلاشبہ انگریزوں کا بنایا ہوا نظام تعلیم ہمارے لئے غیر موزوں تھا لیکن خود ان مقاصد کے لئے بہت ممد و معاون تھا کیونکہ ہماری قوم کی بعض ممتاز ہستیاں اسی کی پیداوار تھیں۔ آخر اس کی فرسودگی اب کیوں ظاہر ہوئی؟ واقعہ تو یہ ہے کہ اب تو تعلیم کا وہ معیار بھی نہیں جو پاکستان بن جانے کے بعد تھا۔ وزیر تعلیم کے بیان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ معیار بھی کیوں برقرار نہیں رہا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے اصول بھی فرسودہ ہو گئے ہوں؟ جہاں تک ہم اس مسئلہ پر غور کرتے ہیں اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انگریز خود کچھ اصولوں کے پابند تھے اور جو بھی غلط یا صحیح مقاصد ان کے سامنے تھے ان کی تکمیل کے لئے سختی سے کام لیتے تھے۔ ہمارے کیا مقاصد ہیں؟ کیا ہم جمہوریتوں کے ساتھ جمہوری، اشتراکیوں کے ساتھ اشتراکی اور مسلمانوں کے ساتھ مسلمان نہیں (نوائے وقت)

بقیہ : اختلافات ختم کر دیں

رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین اور سیاست جو اسلام کا منشا ہے کہ اللہ کا دین نافذ ہو، اللہ کا قانون بالاتر ہو، اللہ کے دین کو ساری دنیا میں پھر سے رائج کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ یہ مقاصد جماعت کے پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میرے ساتھ لاہور سے جماعت آئی ہے اللہ ان کی نیک تمنا پوری فرمائے۔ آپ کے ہر بیمار شفا عطا فرمائے۔ تندرستوں کو برکت، مقروضوں کو قرض سے نجات عطا فرمائے۔ حافظوں کا حفظ آسان فرمائے۔ علماء کو غیبی امداد سے نوازے، لوگوں کی دسترس سے بچائے۔ ان کو قیامت تک پڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ دین کا ڈنکا ساری دنیا میں بجانے اور اسلام کا جھنڈا سارے عالم میں بلند کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے میری، آپ کی، جمعیت کی ہر نیک آرزو کو پورا فرمائے۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ۔ ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین۔ اللھم استرنا بسترک الجمیل۔ اللھم سھل علینا سکرات الموت۔ اللھم ادخلنا الجنۃ بغیر حساب۔ یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علیٰ طاعتک۔ ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔ اللھم بارک لنا فیما رزقتنا۔ ربنا افرغ علینا صبرا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین۔

بقیہ : مجلس ذکر

سبھی میں آپ کو حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل اللہ مشغول نظر آئیں گے۔ یہ حضرات ایسی نہیں کہ اہل حق نے ان سے کنارہ کشی کی ہو بلکہ وہ پوری طرح مصروف نظر آئیں گے اور زندگی کی ہماہمی میں ہمہ تن مشغول! کیونکہ حضور علیہ السلام نے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ فرما کر انفرادیت کی نفی فرما دی۔ اجتماعی زندگی سے گریز کی جڑ کاٹ دی اور بتلا دیا کہ دین کیا ہے؟

ہاں ایک بات ضروری ہے کہ اجتماعیت کے معاملہ میں اچھے لوگوں کو تلاش کریں۔ بُرے اور بے دین افراد سے یاری گانٹھنا اور اسے اجتماعیت کا نام دینا کم عقلی اور بیوقوفی ہے۔ اصل اجتماعیت اہل دل اور نیک لوگوں کی صحبت ہے۔ جن کے متعلق نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انہیں دیکھیں تو خدا یاد آئے۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنی ہدایات کے مطابق عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے!

بقیہ : تاریخ اسلام کی ....

پراپیگنڈے میں آ گئے جیسا کہ واقعہ افک میں، اور ایک اور واقعہ میں حضرت بلتعہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورشوں میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ عمرو بن الحمق وغیرہ اور ان کی یہ شرکت بھی ارادی نہ تھی بلکہ یہ حضرات پھسل گئے۔ ان میں جو واقعات دور نبوت میں ہوئے ان کو اللہ نے معاف فرمایا اور جو بعد کو ہوئے تو صحابہ کا ایمان، للہیت، خلوص، دین کے لیے قربانیاں اور خصوصاً ان کا شرف صحابیت ان کی بخشش کے لیے کافی ہے۔ (جاری ہے)

تنقید و تبصرہ

— تبصرہ کے لیے کتاب کی دو جلدیں دفتر میں آنا ضروری ہیں !!! —

الرشید کا دارالعلوم دیوبند نمبر

"دارالعلوم دیوبند کی ایک سو سال سے زائد کی خدمات پر ایک یادگار نمبر"

جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ترجمان ماہنامہ "الرشید" کا دارالعلوم دیوبند نمبر، جس کے متعلق چند ماہ سے اعلانات آ رہے تھے بڑی آب و تاب کے ساتھ چھپ کر مارکیٹ میں آ گیا ہے۔ یہ نمبر ۲۳۲ کے سوا آٹھ سو کے قریب صفحات پر مشتمل ہے اور اپنی صوری و معنوی خوبیوں کے ساتھ دنیائے صحافت پہ منفرد مقام کا حامل !

نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے حالات و واقعات اور اس کی خدمات کا تذکرہ ہے۔

دیوبند کا عظیم مدرسہ ہماری ملی تاریخ کا ایک روشن و تابناک باب ہے۔ جو تاریکیوں میں ایک شمع فروزاں ہے۔ جو ستم رسیدہ اور دکھی انسانیت بالخصوص برصغیر کے باسیوں کی امنگوں کا آئینہ دار ہے۔ جس نے اپنے روز اول سے لے کر آج تک ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق دین حق کی خدمت کی، علوم اسلامیہ کو زندہ رکھا، ہر شعبہ علمی میں لاتعداد سکالر پیدا کئے، جذبہ آزادی کو بیدار رکھا اور اسلامی اخلاق و اقدار کی پاسداری کی، اس قابل ہے کہ ایک اکیڈیمی کا قیام عمل میں لایا جائے اور وہ اس کے ایک ایک گوشہ پر تفصیلات مہیا کر کے ایک ایسی تاریخ مرتب کرے جو اس عظیم دینی یونیورسٹی کی ۱۱۳ سالہ خدمات کی حقیقی تصویر ہو۔ لیکن اگر فوری طور پہ ایسا ممکن نہیں تو علمی کے فرزندوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے طور پہ دیوبند کی علمی، دینی، تہذیبی، ور سیاسی و روحانی خدمات کو دنیا کے سامنے یں اور چاروں طرف اس عظیم ادارہ کے خلاف جو ژاژ خائی کی فضا پیدا کی جا رہی ہے اس کا مؤثر دفاع کریں۔

مقام شکر ہے کہ ادارہ "الرشید" نے اس معاملہ میں پہل کی اور ایک عظیم دستاویز مرتب کر ڈالی۔ جس میں ہند و پاک کے انتہائی ثقہ، ذمہ دار اور یگانہ روزگار علماء و اہل قلم کی نگارشات شامل ہیں۔ جن میں دیوبند و اکابر دیوبند کی خدمات کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ قارئین جب اس عظیم نمبر کو پڑھیں گے تو انہیں کئی ایک مقامات پہ کچھ غلطیاں نظر آئیں گی جن میں زیادہ تر کتابت کی غلطیوں کے زمرہ میں آتی ہیں۔ لیکن اس قسم کی غلطیوں کا اتنے عظیم نمبر میں ہونا اس لیے بھی کوئی اچنبھے کی بات نہیں کہ حسب روایت ادارہ الرشید بہت تھوڑے وقت میں رات دن ایک کر کے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا گیا۔ تاکہ حکیم الاسلام علامہ محمد طیب قاسمی کی موجودگی پاکستان سے فائدہ اٹھا کر تعارفی تقریب منعقد ہو سکے۔

تاہم امید ہے کہ ادارہ کے بلند ہمت ارباب حل و عقد نقش ثانی کو ہر لحاظ سے بہتر بنانے کی سعی کریں گے اللہ تعالے ان کے ارادوں میں ہمت و برکت دے۔ میں ملک کے باشعور، لکھے پڑھے اور سنجیدہ افراد کو توجہ دلاؤں گا کہ اس نمبر کو خریدیں، پڑھیں اور احباب کو پڑھائیں۔

یہ عظیم نمبر ۲۵/- روپے میں مکتبہ رشیدیہ ۱۲-اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور سے دستیاب ہو سکتا ہے۔

(س - ش)